۱- حفیظ القواعد :- حُسین خاں ۔ ادیب فاضل
قیمت : آٹھ روپے ۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

یہ ایک جدید طرز کی قواعد ہے جسمیں اردو قواعد کے جملہ اقسام کو بیان کیا گیا ہے ۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے ثانوی، اعلیٰ ثانوی، پری یونیورسٹی اور ڈگری کی جماعتوں کے نصاب پر مکمل طور پر حاوی ہے جسکی وجہ سے آندھرا، شری وینکٹیشورا، اناملے اور مدراس یونیورسٹیز کی جانب سے منظورۂ نصاب ہے ۔

الغرض اصول قواعد پر بہ لحاظ اختصار و جامعیت اور طلبار کے امتحانی اغراض کیلئے نہایت ہی موزوں اور مفید ترین کتاب ہے ۔

۲- نایاب جواہر :- پی حُسین خاں ۔ نیشنل ایوارڈی
قیمت : بیس روپے سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

یہ کتاب قرآن و حدیث کے جواہر پاروں کا ایک نایاب مجموعہ ہے ۔ جس میں ہلکی پھلکی زبان میں اسلامی و معارف کے بکھرے ہوتے جواہرات کو نہایت خوش اسلوبی سے اکٹھا کر دیا گیا ہے ۔

دینی معلومات سے متعلق ایک بہترین خزانہ ہے جو اُردو داں طبقے کے لئے ایک نئی بصیرت عطا کرتے ہوتے نفس مضطرب کو دائمی سکون عطا کرنے میں مددگار ثابت ہوگی ۔

307/ROP

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

براۓ رجسٹریشن

مشعلِ راہ

مؤلفہ و مرتبہ

الحاج حسین خاںؔ ادیب فاضل

پریسیڈنٹ ایوارڈی

ناشر

مکتبۂ نور۔ مسلم پورہ۔ کاوَلی

ضلع نیلور ۔ اے، پی) 524201

نام کتاب ——— مشعلِ راہ

نام مؤلف ——— حسین خاں

بار ——— اوّل

تعدادِ اشاعت ——— ایک ہزار

کتابت ——— حافظ محبوب الرحمن بجنوری

مطبوعہ ——— نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدرآباد

قیمت ——— آٹھ روپے =/۸

ملنے کا پتہ

مکتبہ نور مسلم پورہ

67-49-10 کاوَلی پن 524201 ضلع نیلور (اے پی)

حسنِ ترتیب مشعلِ راہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

امابعد: یہ کتاب جو اس وقت آپکے مطالعے میں ہے اسلامی تعلیمات کا ایک سلسلہ ہے جسمیں نفوس قدسیہ کی علمی ذوق وشوق اور پاکیزہ زندگیوں کے نقش کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

جسطرح راتوں میں سفر کرنیوالے مسافروں کو آسمان کے روشن ستارے راستے کا پتہ دیتے ہیں جنکی روشنی میں مسافر منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح وہ ہستیاں جنکی پاکیزہ زندگیوں کے آئینے میں راہ حق کے مسافر سکون واطمینان کیساتھ اپنا سفر طے کرکے راہ یاب ہوتے ہیں۔ ایسی ہستیوں کے حسن عمل کے روشن نمونے، روح پرور واقعات ولولہ انگیز مثالیں حسن اخلاق کے شاندار کارنامے اسمیں جمع کردئے گئے ہیں۔

ان اخلاقی نمونوں سے وہی لوگ حقیقی کیف وسرور حاصل کرتے ہوئے فائدہ حاصل کرتے ہیں جنکو مالک حقیقی نے حساس قلب اور سوچنے والا دماغ عطا کیا ہے۔ سیرت وکردار کے ان نمونوں کے مطالعے سے خدا کے بندوں سے الفت وپیار کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے اور زندگی کی شاہراہ پر چلنے والوں کیلئے نشان منزل اور مشعل راہ ہیں۔ جنکی رہنمائی میں چلنے والے قافلے کبھی راہ حق سے نہیں بھٹکتے۔ یوں تو اسلاف کی پاکیزہ کردار کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو عبرت ونصیحت سے خالی ہو۔ لیکن موجودہ دور کے عبرتناک ماحول میں نونہالوں کے لئے ایسے نمونوں کی اشد ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ اخلاق وادب کے جواہر کا نایاب تحفہ سبھوں کے دامن میں آسانی سے پہنچ جائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے اور مرتب کی کوتاہیوں کو درگزر فرماتے ہوئے دین ودنیا کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

رتنا۔ کاقیام۔

حسین خاں عفی عنہ
۳۔ ذی الحجہ [illegible]

پیش لفظ

حضرت مولانا حافظ سید اکبر الدین صاحب قاسمی، نائب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش حیدر آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محترم جناب حسین خانصاحب آندھرا پردیش میں سرکاری مدارس کے نہایت کامیاب مدرس اور لائق ترین استاذ رہے ہیں۔ انکی بہترین تعلیمی خدمات پر صدر جمہوریہ کی جانب سے ایوارڈ کا اعزاز ملا۔ تدریسی خدمات میں یہ اعزاز اُنکی خداداد صلاحیت اور تعلیم سے غیر معمولی دلچسپی کی علامت ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قابل تعریف اور باعث صد تحسین بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق اور بہترین سلیقہ عطا فرمایا اور دینی حمیت اور اسلامی غیرت کا وافر حصہ نصیب فرمایا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس استعداد و صلاحیت کو دینی خدمت اور اسلام کی اشاعت میں استعمال کر رہے ہیں۔

آج کے لادینی اور الحاد کے دور میں ایسے دین پسند لوگ نایاب نہیں ہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ زیر نظر کتاب "مشعل راہ" بھی اسی صلاحیت کا مظہر حسین اور اسی دینی جذبہ کا عکس جمیل ہے۔ یہ اُن عبرت خیز واقعات اور سبق آموز حالات کا مجموعہ ہے جو واقعی زندگی کے ظلمت کدہ میں "مشعلِ راہ" ثابت ہو سکتے ہیں۔ قبل ازیں موصوف محترم کی چند قابل قدر کتابیں مثلاً نایاب جواہر، شعاعِ نور، روشنی کے مینار وغیرہ تالیف فرمائیں جو اہل علم حضرات کی نظر میں مفید تر اور بیحد وقیع قرار دی گئیں۔ توقع ہے کہ یہ کتاب بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے مقبول عام ہوگی۔

قدرداں
سید اکبر الدین قاسمی
نائب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش ... بانظار

چادر گھاٹ حیدر آباد ۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمتِ عالمؐ کا فیصلہ

"اے خدا کے رسولؐ! میں بڑی دکھی ہوں اور اپنا انصاف چاہتی ہوں"

ادھیڑ عمر کی ایک خاتون دربار رسالتؐ میں حاضر ہوئی اور بڑے ہی درد بھرے انداز میں اپنا بپتا سنانے لگی۔ حضور! شوہر نے مجھے اپنی سرپرستی سے محروم کر دیا" (شوہر کے الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی)

"گھبراؤ نہیں، کہو، تمہیں کیا دکھ پہنچا ہے۔ خدا تمہارے اوپر رحم فرمائے" رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے کہا، اور خاتون نے پھر کہنا شروع کیا۔

حضور! میں مرد کی سرپرستی سے محروم ہو گئی ہوں حضور! یہی غم ایک عورت کو نڈھال کرنے کے لئے کیا کم ہے، کہ اب وہ بچھڑا ہوا مرد مجھ سے میرے جگر کے ٹکڑے کو بھی چھیننا چاہتا ہے، یا رسول اللہؐ! میرا لال بڑا ہی سعادتمند ہے، بس اب یہی زندگی کا سہارا ہے، اللہ رکھے مجھے اس سے بڑی ڈھارس ہے۔ یا رسول اللہؐ! میں عورت ذات باہر کا کام کر نہیں سکتی، میرا بچہ میرے لئے کنوئیں سے پانی بھر کر لا دیتا ہے،

بازار سے سودا سلف خرید کر لاتا ہے، اور میری باہر کی ہزار ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ مگر اس کا باپ مجھ سے میرے جگر کے گوشے کو چھیننا چاہتا ہے، یا رسول اللہ! میں اس غم کو کیسے برداشت کر سکوں گی؟" اور عورت کی ہچکی بندھ گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے، اور فرمایا، "بی بی! رو تو نہیں، اللہ تمہاری مشکل آسان فرما دے گا۔"

خاتون ذرا سنبھلی اور اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شوہر کا غم ہی کیا کم ہے، کہ اب وہ بچے کو بھی مجھ سے جدا کرنے کی فکر میں ہے۔ اے خدا کے رسول! میرا یہ لال میرا بچہ ہے، (بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خاتون نے کہا،) اے خدا کے رسول! میرا پیٹ اس کی آرام گاہ ہے، میری چھاتیاں اسکی مشکیزہ ہیں، اور میرا گود اس کا گھروندا ہے، اے خدا کے رسول! میں دکھیا اس صدمے کو کیسے برداشت کروں گی۔

یا رسول اللہ! بچے کا باپ یہیں آپ کی مجلس میں موجود ہے۔ میں آپ کے واسطے سے اس سے اپنا حق چاہتی ہوں، اور درخواست کرتی ہوں، کہ وہ میرا حق نہ چھینے، اللہ رکھے میرا سعادتمند بچہ میری زندگی کا سہارا ہے۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا۔ "ایسا کرو، تم دونوں قرعہ ڈال لو جس کے نام قرعہ نکل آئے اسکو خدا کا فیصلہ سمجھو۔"

"یا رسول اللہ! بچہ میرا ہے کسی کو کیا حق ہے کہ بچہ لیجائے،"

میرا بچہ میرے پاس رہے گا۔ اس کے بغیر میری زندگی میں کیا مزہ!" لڑکے کے باپ نے جوش میں آکر کہا۔

"اے خدا کے رسول ﷺ! یہ ہرگز ہو نہیں سکتا، میں نے اسکو اپنا خون جگر پلایا ہے، بڑے دُکھ اٹھا کر بڑی امیدوں کے ساتھ اسکی پرورش کی ہے مجھ دُکھیا کا تو اب یہی سہارا ہے" خاتون نے دکھ کے ساتھ کہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بے اختیار بھیگ گئیں۔ چند لمحے خاموش رہے، ماں باپ کی محبت بھری نظریں اپنے پیارے بچے پر تھیں اور کان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لگے ہوئے تھے، کہ دیکھئے اب نبی ﷺ کی عدالت سے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

رحمت عالم ﷺ لڑکے کی طرف متوجہ ہوتے، بڑے غور سے اپنی ماں اور اپنے باپ کی گفتگو سُن رہا تھا، اور کبھی اپنی ماں پر پیار بھری نظر ڈالتا، کبھی اپنے باپ کو عقیدت سے دیکھتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے سے کہا۔

"بیٹے یہ تیرے باپ ہیں، اور یہ تیری ماں ہے، تو دونوں کا پیارا ہے، اور یہ دونوں تجھے پیارے ہیں، تجھے اختیار ہے کہ جسکا ہاتھ چاہے پکڑ لے۔"

لڑکا ایک لمحہ انتظار کئے بغیر اپنی جگہ سے اُٹھا، ماں پر بھی ایک نظر ڈالی اور باپ پر بھی، دونوں اُسے گلے لگانے کے لئے بیتاب تھے، وہ کچھ دیر رُکا اور پھر اُس نے آگے بڑھ کر اپنی کمزور ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کمال آدمیت

ایک سائل حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے چند سوالات پیش کرنے کی اجازت چاہی، انسان کامل رحمت عالمؐ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر ارشاد ہوا ہاں اجازت ہے تو دنیا و آخرت کے متعلق جو بات چاہے دریافت کر۔

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری خواہش ہے کہ سب سے بڑا عالم بن جاؤں!

ارشاد ہوا: اللہ سے ڈرتا رہ، تو سب سے بڑا عالم بن جائے گا۔

پھر اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مالدار بن جاؤں!

فرمایا: قناعت اختیار کر سب سے زیادہ مالدار بن جائیگا۔

پھر اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ بہتر ہو جاؤں

ارشاد ہوا: جو شخص لوگوں کو نفع پہنچائے وہ سب سے زیادہ بہتر ہے، تو لوگوں کے لئے نفع بخش بن جا سب سے زیادہ بہتر ہو جائے گا۔

اس نے کہا: میں سب سے زیادہ عادل اور منصف بننا چاہتا ہوں۔

ارشاد ہوا: دوسروں کے لئے وہی پسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ تو سب سے زیادہ عادل اور منصف بن جائے گا۔

اس نے عرض کیا: خدا کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مخصوص اور مقرب بننا چاہتا ہوں!

ارشاد ہوا: تو خدا کا ذکر خوب کیا کر، خدا کی بارگاہ میں مخصوص و مقرب ہو جائے گا۔

اس نے کہا: میرا شمار مخلصین اور صالحین میں ہو جائے!

ارشاد ہوا: تو خدا کی عبادت ایسی کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، اگر اس طرح ممکن نہ ہو تو ایسی عبادت کر جیسے وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

اس نے عرض کیا: میں اطاعت گزاروں میں ہونا چاہتا ہوں!

فرمایا: فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کر، تیرا شمار اطاعت گزاروں میں ہو جائے گا۔

اس نے کہا: میری آرزو ہے کہ حشر میں نور میرے ساتھ ہو!

فرمایا: تو کسی پر ظلم نہ کر، قیامت کے دن نور تیرے ساتھ ہوگا۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں خدا مجھ پر رحم کی نظر فرمائے!

فرمایا: تو اطاعت و بندگی کے ذریعے اپنے اوپر رحم کر اور حق سلوک کے ذریعے مخلوق پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کی نظر فرمائیگا۔

اس نے کہا: میری خواہش ہے کہ میرے گناہ کم ہو جائیں۔

فرمایا: کثرت سے استغفار کیا کر، تیرے گناہ کم ہو جائینگے۔

اس نے کہا: میں بزرگ بننا چاہتا ہوں!
فرمایا: مصیبت کے وقت لوگوں سے شکایت نہ کر سب سے زیادہ بزرگ ہو جائے گا۔
اس نے کہا: میں چاہتا ہوں میرے رزق میں برکت ہو!
فرمایا: تو ہمیشہ پاک یعنی باوضو رہ، تو تیرے رزق میں برکت ہو جائے گی۔
اس نے کہا: میری خواہش ہے کہ میرا شمار خدا اور رسولؐ کے دوستوں میں ہو جائے!
فرمایا: جو باتیں خدا اور رسولؐ کو پسند ہیں اُن کو پسند کر اور جن باتوں سے اللہ اور رسولؐ کو نفرت ہے ان سے نفرت کرتا تو خدا اور رسولؐ کا دوست بن جائے گا۔
اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ مجھ پر خدا کا غضب نازل نہ ہو!
فرمایا: تو کسی پر بے جا غصہ نہ کر، خدا کے غضب اور ناراضگی سے بچا رہیگا۔
اس نے کہا: میری ہر دعا قبول ہو جایا کرے!
فرمایا: حرام چیزوں اور حرام باتوں سے اپنے آپکو بچائے رکھ جو دعا مانگے گا قبول ہو گی۔
اس نے کہا: میں چاہتا ہوں خدا قیامت میں مجھے سب کے سامنے رُسوا نہ کرے!
فرمایا: تو بدکاری سے بچا رہ قیامت میں رُسوا نہ ہو گا۔
اس نے کہا: میری خواہش ہے کہ خدا میرے عیب چُھپا لے!
فرمایا: تو اوروں کی پردہ پوشی کر، خدا تیری پردہ پوشی کریگا۔

اس نے کہا: کونسی نیکی خدا کے نزدیک افضل ہے؟
فرمایا: بہترین اخلاق، عجز و انکساری، مصیبتوں پر صبر کرنا، خدا کے فیصلوں پر راضی ہونا افضل ترین نیکیاں ہیں۔
(کنز العمال)

آخری فیصلہ

قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور انہیں سمجھاؤں اور کچھ لالچ دکھاؤں، اگر وہ کسی بات کو قبول کریں تو ہم انہیں دیدیں اور انھیں ان کے کام سے روکیں۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ حضرت حمزہ رضؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہوگئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس بات پر رضامند ہوگئے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"برادر زادے تم عالی نسب ہو، تم ہم میں سے ہو، افسوس کہ آپؐ اپنی قوم کے پاس ایک عجیب و غریب چیز لائے، آپ نے ان میں پھوٹ ڈلوادی۔ آپؐ

نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی۔ آپ نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا، اب سُن لو آج میں آپؐ کے پاس آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں۔ میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو آپؐ کو پسند ہو قبول کیجئے خدارا اس فتنے کو ختم کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا جو کچھ تمہیں کہنا ہو کہو میں سُن رہا ہوں۔

اس نے کہا سنو! اگر آپؐ کا ارادہ اس چال سے مال جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر آپؐ کے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپؐ سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو۔ اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری ہے تو ہم سب مل کر آپؐ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔ اور اگر آپؐ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپؐ کو سونپ کر رعایا بننے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر آپؐ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپؐ کے علاج کراتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آجاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔"

اب عتبہ خاموش ہوا تو آپؐ نے فرمایا اب سب
چکے. کہا ہاں! فرمایا اب میری سنو: وہ متوجہ ہوگیا
نے بسم اللہ الخ پڑھ کر سورۂ حٰمٓ السجدہ" کی تلاو
کی۔ عتبہ باادب سنتا رہا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے سج
کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا ابوالولید میں
اب تجھے اختیار ہے۔
عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف
اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا کہ عتبہ
بدل گیا۔ اس سے پوچھو کیا بات رہی؟
اس نے کہا میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ
پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا! نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گو
نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو! قریشیو میری مان لو او
اس اچھی بھلی بات کو قبول کرلو۔ اسے اس کے خیالات
چھوڑ دو نہ موافقت کرو نہ مخالفت۔ جو دعویٰ ان کا
اسمیں اور جو آپ کہتے ہیں اسمیں تمام عرب ان کا
ہے۔ وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلے میں صرف کر
یا تو وہ ان پر غالب آجائینگے تو تم سستے چھوٹے یا یہ
غالب آجائے گا تو ان کا ملک تمہارا ملک کہا جائیگا۔ او
عزت تمہاری عزت ہوگی، اور سب سے زیادہ ان
نزدیک مقبول تم ہی ہوؤگے۔
یہ سن کر قریشیوں نے کہا ابوالولید! قسم خدا کی

نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اُس نے جواب دیا سنو! میری جو رائے تھی میں آزادی سے کہہ چکا۔ اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صلاا۔ پ۲۴ حم سجدہ)

(سیرۃ ابن اسحاق)

اُسوۂ حسنہ

حضرت زید بن حارثہ رض کو اس وقت جب کہ وہ آٹھ برس کے تھے ڈاکوؤں نے اپنی حراست میں لے کر مکہ معظمہ میں کسی رئیس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا اور ان سے حکیم کے بیٹے حزام نے چارسو درہم میں خرید کر حضرت خدیجہ رض کو دے دیا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو انھوں نے زید بن حارثہ کو آپ صلعم کی خدمت کے لئے ہبہ کر دیا اور وہ دربار نبوت میں غلام اور خدمت گار بن کر رہنے لگے۔ اور زید کے باپ حارثہ نے اپنے بیٹے کی تلاش اور جستجو میں اپنی عمر کا ایک حصہ گنوا ڈالا۔ اس کے باوجود کہیں سراغ نہ لگ سکا کہ اچانک کاروان حجاج میں سے کسی نے انہیں گوش گزار کیا کہ تیرے جگر کا ٹکڑا زید کو مکۂ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف غلامی حاصل ہے۔ یہ سن کر حارثہ نے اپنے

برادر عزیز کعب کی رفاقت میں دربارِ رسالت میں
دی۔ اور جوں ہی اپنے بیٹے زید پر نظر پڑی باپ
بغلگیر ہو گئے اور تا دیر روتے رہے۔ پھر حارثہ نے
کہ اے رحیم و کریم آقا زید میرا فرزند ہے اور اس کی
نے ہم سب کے دلوں پر زخم کر رکھا ہے۔ لہٰذا جو قیمت
لے لیجئے اور بچے کو میرے سپرد کر دیجئے۔ حارثہ کی درد
داستان سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرما
حارثہ مجھے قیمت اور معاوضہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے ا
بچہ تمہارے ہمراہ چلنے پر رضامند ہو تو اسے میری طرف
کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور زید سے بھی کہہ دیا کہ تمہیں
کے لئے دو اشخاص آ پہنچے ہیں جن میں سے ایک تم
باپ حارثہ اور دوسرے تمہارے چچا کعب ہیں تم انکے
میں جا کر آزادی کی زندگی گزارو۔ اور حارثہ و کعب
بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! تمہاری علیحدگی
پر زندگی تلخ اور ترش ہو گئی ہے نہ تو رات کو نیند ہی میں
اور نہ ہی دن آرام، جناب زید آقا کا فرمان ذیشان
سن چکے اور باپ و چچا کی داستانِ کرب بھی تو ایک
بہ نظر عمیق اپنے اب و عم کو دیکھا اور ایک مرتبہ اپنے آقا
بھرے چہرے کو بھی دیکھا پھر حضرت زید رضؓ نے عرض
کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اپنے باپ اور
کی رفاقت میں یہاں سے چلا جاؤں تو زندگی کے لمحات

عیش وطرب اور فرحت ومسرت ہی سے گزریں گے لیکن نہ تو آپؐ کے راحت وسکون بخش چہرے کی زیارت ہو سکے گی اور نہ ہی غلامی وخدمت گزاری کا شرف حاصل ہو سکے گا۔ حالانکہ مدعا یہی ہے کہ تادم مرگ آپ کا خادم وغلام بنا رہوں اور چہرۂ والضحیٰ کا نظارہ کرتا رہوں۔

یہ سن کر کعب جو زیدؓ کے چچا تھے ڈانٹ بتاتے ہوئے بولے۔ تم مفقود العقل کیوں ہو گئے ہو کہ غلامی ہی پر جان چھڑکتے ہو اور آزادی پر رضامند نہیں ہوتے؟ زید بن حارثہ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ عم محترم نیک بختی اور خوش نصیبی سے اس در کی غلامی ملتی ہے۔ اس در کی غلامی آزادی کی تمام تر زندگیوں سے بہتر اور بڑھ کر رہے۔ یہ ایسا عظیم الشان دربار ہے جہاں دنیا بھر کے بیشتر شہنشاہ صبح قیامت تک یہ آکر کہتے رہیں گے کہ ؎

ہے شاہوں کو بھی وجہ نیک نامی
شہ خوباں ترے در کی غلامی

ہر اک شیدا ہے سلطانِ عرب کا
عراقی ہو کہ رومی ہو کہ شامی

زید کی عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی تقریر سن کر جناب حارثہ آنکھوں کے قطرات اشک کو پونچھتے ہوئے اپنے وطن کو واپس ہو چلے۔ لیکن آقا کو اپنے غلام کی ان پیاری باتوں پر ایسا پیار آگیا کہ انھیں پروانہ آزادی دے کر اپنا فرزند

بنالیا۔ اور ام ایمن جو آپؐ کی باندی تھی سے نکاح کر دیا اور جب ان کے لڑکا اسامہ تولد ہوئے تو ان پر ایسی شفقت و محبت فرماتے تھے کہ ایک دوش نبوت پر فرزند غلام ہوتے تھے دوسرے کاندھے پر حسنین کریمین۔ کیوں؟ اس لئے کہ رسول صلعم کے اخلاق کی شان امتیاز سب دیکھیں کہ نبوی نگاہ میں غلام کے بیٹے اور بنت کے بیٹے دونوں مساوی ہیں۔ چنانچہ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ:۔

جس جگہ تذکرۂ فخر انام آتا ہے
جلی حرفوں میں اسامہ کا بھی نام آتا ہے
ایک کاندھے پہ ہے لختِ جگر شبیر خدا
دوسرے کاندھے پہ فرزند غلام آتا ہے۔

(ماہنامہ قاری دہلی)

زندہ در گور

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب قیس بن عاصم خدمت رسولؐ میں حاضر ہوا تو ایک انصار نے اس سے اس کی لڑکیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ قیس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ میں نے اپنی تمام لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا ہے اور مجھے ذرہ برابر تکلیف نہیں ہوئی لیکن ایک بار مجھے بڑا صدمہ ہوا تھا۔ میں سفر کے لئے آمادہ تھا۔ میری بیوی حاملہ

تھی اور وضع حمل کا وقت بہت قریب تھا۔ اتفاقاً میرا سفر کچھ طولانی ہوگیا۔ واپسی کے بعد میں نے اپنی بیوی سے حمل کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ بچہ مردہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن درحقیقت چونکہ لڑکی پیدا ہوئی تھی لہذا میرے ڈر کی وجہ سے اس نے اس لڑکی کو اپنی بہنوں کے سپرد کر دیا تھا۔ کئی برس گذر گئے یہاں تک کہ وہ لڑکی جوان ہو گئی۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک انتہائی خوبصورت لڑکی گھر کے اندر داخل ہوئی اور اپنی ماں کو ڈھونڈنے لگی۔ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ اس نے اپنے بال سنوار رکھے تھے اور گردن میں ایک خوبصورت سا ہار ڈال رکھا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ کس کی لڑکی ہے؟ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اپنی اشک آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئی بولی۔ یہ تمہاری لڑکی ہے۔ یہ اس وقت پیدا ہوئی تھی جب تم سفر پر گئے تھے۔ میں نے تمہارے ڈر کی وجہ سے اُسے تم سے چھپا رکھا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ میری خاموشی سے میری بیوی نے یہ اندازہ لگایا کہ اب میں راضی ہو گیا ہوں اور اس خوبصورت لڑکی کے خون سے اپنے ہاتھوں کو آلودہ نہ کروں گا۔

بہرحال ایک دن میری بیوی کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ میں نے موقع مناسب دیکھا اور اپنے عہد و پیمان کے مطابق لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر میں اسے گھر سے کافی دور لے گیا

اس کے سامنے میں نے گڑھا کھودنا شروع کیا۔ اس دوران میری لڑکی بار بار مجھ سے یہ سوال کر رہی تھی کہ آخر آپ یہ گڑھا کیوں کھود رہے ہیں؟ تھوڑی دیر میں یہ گڑھا تیار ہوگیا۔ میں نے اس لڑکی کو گڑھے کے اندر پھینک دیا اور اسکی دلخراش آواز اور نالہ و فریاد سے متاثر ہوئے بغیر میں اسکے اوپر مٹی ڈالتا چلا گیا۔

وہ لڑکی نہایت دلخراش انداز میں بار بار یہ فریاد کرتی جارہی تھی۔ "بابا جان! آپ مجھے زیرِ خاک چھپائے دے رہے ہیں! مجھے اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر اماں کے پاس واپس چلے جائینگے؟ بابا جان! میں نے ایسی کیا خطا کی ہے کہ آپ مجھے یہ سزا دے رہے ہیں؟!

لیکن میں نے اس کی دردبھری آواز کی کوئی پروانہ کی اور اسے زندہ درگور کر دیا۔ لیکن اس بار مجھے بڑا صدمہ پہنچا۔ قیس بن عاصم یہ واقعہ بیان کر رہا تھا اور رسول مقبولؐ کے آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ قیس کی بات تمام ہوتے ہی رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "ان ھذہ لقسوۃ ومن لایرحم" یہ ایک سنگ دلی کا کام ہے۔ اور (جو قومیں رحم و کرم اور مہربانی کی حامل نہیں ہیں) وہ رحمت خداوندی سے محروم رہیں گی۔[1]

---

[1] ابن اثیر سے منقول ہے کہ پیغمبرؐ نے قیس سے پوچھا کہ اب تک کتنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنی بارہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا ہوں۔

تقوے کی اعلیٰ تمثیل

قبیلۂ غامد کی ایک عورت سے زنا سرزد ہو گیا۔ وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اُس نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے زنا ہو گیا ہے مجھے پاک کر دیجئے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے واپس کر دیا۔ دوسرے دن وہ پھر آئی (اس نے پھر عرض کیا "مجھے پاک کر دیجئے"۔ آپؐ نے اسے پھر واپس کرنا چاہا) اس نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ مجھے کیوں واپس کرتے ہیں؟ شاید آپؐ مجھے اسی طرح واپس کر رہے ہیں جس طرح ماعز کو واپس کیا تھا، اللہ کی قسم میں تو حاملہ ہوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جاؤ، جب بچہ ہو جائے تو پھر آنا"۔

جب بچہ پیدا ہوا تو وہ بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی اور کہا "میں نے یہ بچہ جنا ہے (اب مجھے پاک کر دیجئے")

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جاؤ اسکو دودھ پلاؤ، جب اس کا دودھ چھڑا دو تو پھر آنا"۔ وہ عورت چلی گئی، جب اس نے بچے کا دودھ چھڑایا تو پھر حاضر خدمت ہوئی۔ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا (جو اس بات کی علامت تھی کہ اب بچے کو دودھ کی ضرورت نہیں) اس عورت نے کہا "اے اللہ کے نبیؐ میں نے دودھ چھڑا دیا ہے

اور اب یہ بچہ کھانا کھانے لگا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو ایک شخص کے حوالے کیا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ایک گڑھا کھودا جائے گڑھے کی گہرائی اس کے سینے تک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کر دیا جائے۔ لوگوں نے سنگسار کرنا شروع کیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔ خون اڑ کر حضرت خالدرضؓ کے منہ پر گرا۔ حضرت خالدؓ نے اسے برا بھلا کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا فرمایا "اے خالدرضؓ خبردار ہو جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ناجائز محصول لینے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرضؓ نے عرض کیا" کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینے کے ستر آدمیوں میں تقسیم کر دی جائے تو انہیں کافی ہو جائے اس نے محض اللہ کی رضا کے خاطر جان قربان کر دی۔ کیا تم نے اس سے بہتر توبہ بھی دیکھی ہے؟

صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۶۵-۶۶
از مطبوعہ کراچی

سلہ صحیح مسلم کتاب الحدود۔ عن بریدہ رضؓ و عمران رضؓ۔

غرور کا انجام

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ عبادت الٰہی میں ایسے منہمک ہوئے کہ ساری رات اسی طرح گزار دی۔ صبح کے وقت انہیں حیرت ہوئی کہ میں نے یہ قیام ساری رات کیا اور اس پر فخر کیا اور کہا ابراہیمؑ کا رب بہتر ہے۔ اور ابراہیمؑ اس کے بہتر بندوں میں سے ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ کھانا کبھی تنہا نہ کھاتے تھے۔ مگر اس روز کھانے کے وقت ساتھ کھانے والا کوئی نہ تھا۔ آپ کھانا نکال کر راستے میں کھانے کے لئے بیٹھ گئے کہ کوئی راہگیر ملے تو ساتھ بٹھالوں۔ اس اثنا میں آسمان سے دو فرشتے اترے، اور آپ کے پاس آئے۔ آپ نے انھیں باغ کے اندر آکر کھانا کھانے کو کہا اور فرمایا: اس چشمہ کا پانی بہت میٹھا ہے۔ میں تمہیں پلاؤں گا۔ چنانچہ فرشتے باغ کے اندر گئے اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے۔ جب چشمہ پر پانی پینے کے لئے گئے تو چشمہ کا پانی غائب پایا۔ اس پر حضرت ابراہیم بہت شرمندہ ہوئے۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا، کہ آپ اللہ سے دعا کریں، کہ پانی آجائے۔ آپ نے دعا کی مگر چشمے میں پانی نہ آیا۔ آپ نہایت شرمسار ہوئے۔ چنانچہ آپ نے فرشتوں سے دعا کرنے کو کہا، ایک فرشتے نے دعا کی تو پانی آگیا۔ دوسرے فرشتے نے دعا کی تو چشمہ سے پانی جاری

ہوگیا۔ تب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بتلایا کہ ہم فرشتے ہیں۔

جب پھر رات کو آپ نے قیام کیا تو آپ کو خبر دی گئی کہ رات آپ نے اپنی عبادت پر غرور کیا تھا اس کے باعث آپ کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

(غنیۃ الطالبین بحوالہ حدیث ص۵۳۴)

مال کی طمع کا ایک نمونہ

جریر لیث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عیسیٰؑ کی معیت اختیار کی دونوں کسی جگہ کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک نہر کے کنارے پہنچے، دونوں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے۔ ان کے پاس تین ۳ روٹیاں تھیں۔ دونوں نے ایک ایک روٹی کھائی۔ تیسری باقی رہی۔ حضرت عیسیٰؑ پانی پینے کے لئے نہر تک تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو تیسری روٹی موجود نہیں تھی۔ آپ نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی، آپ خاموش ہوگئے۔

سفر دوبارہ شروع ہوا۔ راستے میں ایک ہرنی ملی اسکے ساتھ دو بچے تھے، آپ نے ایک کو بلایا، وہ آیا، آپ نے اسے ذبح کیا اور اس کا گوشت بھونا، آپ نے خود کھایا

اور ہمسفر کو بھی کھلایا۔ پھر اس ہرن کے بچے سے فرمایا: اللہ کے حکم سے زندہ ہو جا۔ بچہ زندہ ہو گیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ میں تجھ سے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے یہ معجزہ دکھایا تیسری روٹی کہاں گئی؟ اس شخص نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ اس کے بعد دونوں ایک ایسی وادی تک پہنچے جسمیں حد نظر تک پانی ہی پانی بھرا ہوا تھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانی پر چل کر وادی عبور کی۔ جب خشکی پر پہنچے تو اس شخص سے فرمایا میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے یہ معجزہ دکھایا، وہ روٹی کس نے لی؟ اس نے یہی کہا میں نہیں جانتا وہ روٹی کہاں گئی۔

سفر پھر شروع ہوا۔ اس مرتبہ ایک جنگل میں پہنچ کر ٹھہرے۔ آپ نے کچھ مٹی، اینٹ اور پتھر جمع کئے اور فرمایا اللہ کے حکم سے سونا بن جا۔ جب اینٹ، پتھر اور مٹی کا ڈھیر سونے میں تبدیل ہو گیا۔ تو آپ نے اس کو تین حصے کئے اور فرمایا ایک حصہ میرا اور ایک حصہ تیرا۔ اور ایک حصہ اس کا جس نے تیسری روٹی لی۔ وہ شخص جلدی ہی سے بولا وہ تیسری روٹی میں ہی لی تھی۔ آپ نے وہ تمام سونا اس کو دیدئے اور علیحدگی اختیار کی اور چل دئے اور وہ شخص سونا لئے ہوئے جنگل میں بیٹھا رہا۔ اتنے میں دو آدمی وہاں پہنچے، مال دیکھ کر ان کی نیت خراب ہو گئی۔ ان کا ارادہ

یہ ہوا کہ اس شخص کو قتل کر کے یہ تمام مال چھین لیں۔ اس نے کہا تم مجھے قتل نہ کرو، ہم تینوں اس مال کے برابر برابر حق دار ہوں گے۔ پہلے ایک قریب کے گاؤں جاکر کھانا لائیں، تینوں مل کر کھائیں۔ اس کے بعد آپس میں مال تقسیم کر لیں۔ ان میں سے ایک شخص کھانا لانے چلا گیا۔ اس کے دل میں آیا کہ اگر میں اس کھانے میں زہر ملا دوں تو یہ دونوں مر جائیں گے۔ اور میں تنہا اس کا مالک بن جاؤں گا ادھر ان دونوں نے تیسرے کے خلاف سازش تیار کی کہ جب وہ کھانا لے کر آئے تو موقع پا کر اس کو قتل کر دیا جائے اور مال ہم آدھا آدھا تقسیم کر لیں۔ چنانچہ جب وہ کھانا لیکر آیا تو ان دونوں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر اس کا لایا ہوا کھانا کھا کے خود ہلاک ہو گئے۔ سونا وہیں پڑا رہا۔ اور یہ تینوں اسکے ارد گرد پڑے اپنی لاشیں جنگلی کتوں اور گدھوں سے نچواتے رہے۔ چند دن کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ادھر سے ہوا تو آپ نے اپنے ہمسفروں سے اشارہ فرمایا دیکھو! دنیا کا یہ حال ہے، تم اس سے بچتے رہنا۔

احیاء العلوم اردو۔

جلد ۳ قسط ۵

ص ۶۷۸

اللہ کی امانت

اُبوطلحہ رضؓ کی بیوی کا نام اُمّ سلیمؓ تھا۔ ابوطلحہ رضؓ گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کا لڑکا مر گیا۔ جب طلحہ رضؓ گھر لوٹ آئے تو اُمّ سلیمؓ نے لڑکے کے مرنے کی خبر نہ کی۔ ابوطلحہ رضؓ کے آگے کھانا رکھا انھوں نے بخوبی کھانا کھایا اور پانی پیا، پھر صحبت کی، فجر کے وقت ام سلیم رضؓ نے کہا، اے ابوطلحہ رضؓ اگر ایک قوم دوسری قوم سے کوئی چیز عاریتاً مانگ لے، پھر وہ قوم اپنی چیز واپس طلب کرے تو کیا دیں یا نہ دیں۔ ابوطلحہ رضؓ نے کہا غیروں کی چیز واپس کرنے میں عذر نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ فوراً ادا کریں۔ جب ام سلیمؓ نے کہا تمہارا بیٹا مر گیا ہے۔ یہ اللہ کی امانت ہے صبر کرو تاکہ ثواب پاؤ۔ ابوطلحہؓ نے یہ قصّہ حضرتؐ سے کہا۔ تب حضرتؐ نے ان کے حق میں یہ دعا کی یعنی "خدا تم کو اولاد دے"۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ اسی رات ام سلیم رضؓ کے حمل ٹھہرا پھر لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت رسول اللہؐ نے اسکا نام عبداللہ رکھا۔ حضور اکرمؐ کو ام سلیمؓ کی مضبوطی اور ایسے وقت میں خاوند کی آرام رسانی بہت پسند آئی۔

(تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار ص ۳۸۸)

بخاری و مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ خدا برکت دے تم دونوں کی رات میں یہ دعا ابوطلحہؓ اور ام سلیم رضؓ کے حق میں کی۔

شوہر کی شکایت

حضرت علیؓ اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کی شکایتوں کا تجزیہ خود کیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ ذمہ داری دوسروں کے سپرد نہیں کی تھی۔ سخت گرمی اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب لوگ اپنے گھروں میں آرام کیا کرتے تھے، وہ دارالامارہ کے باہر ایک دیوار کے سایے میں بیٹھ کر لوگوں کی شکایت سنتے اور ان کی پریشانی کا حل تلاش کرتے تھے۔ ہر آدمی کو یہ آزادی حاصل تھی کہ بغیر کسی رکاوٹ کے ان کے سامنے اپنی شکایت پیش کر دے۔ وہ اکثر گلی کوچوں میں گھوم کر لوگوں کے حالات کا اندازہ لگایا کرتے تھے کہ کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔

ایک دن وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں دارالخلافہ کی طرف واپس آرہے تھے۔ اور سر سے پیر تک پسینے میں غرق تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک عورت دارالامارہ کے دروازے پر کھڑی ہوئی ہے۔ جیسے ہی اس عورت کی نگاہ حضرت علیؓ پر پڑی وہ ان کے سامنے آئی اور کہنے لگی۔ میری ایک شکایت ہے۔

میرے شوہر نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے اور مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ اور مجھے مارنے کی دھمکی بھی دی ہے۔ اور اگر گھر واپس گئی تو وہ ضرور مجھے مارے گا۔ اسی وجہ سے میں

انصاف طلب کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔

خواہر عزیز! اس وقت شدید گرمی ہے، صبر سے کام لو، عصر کے وقت گرمی کچھ کم ہو جائے گی تو میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلوں گا اور انشاء اللہ تمہاری شکایت دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

"اگر میں زیادہ دیر تک گھر سے باہر رہی تو میرا شوہر اور ناراض ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے پہلے سے زیادہ اذیت پہنچائے"۔

حضرت کچھ دیر تک گردن جھکائے کھڑے رہے۔ اسکے بعد انھوں نے اپنی گردن اوپر اٹھائی وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

نہیں! خدا کی قسم مظلوم کی حمایت اور اسے انصاف دلانے میں ہرگز تاخیر نہ کرنی چاہیئے۔ ظالم سے مظلوم کا حق وصول کرنا لازمی ہے اور مظلوم کے دل سے ظالم کے خوف کو باہر نکال دینا چاہیئے تاکہ وہ مکمل شجاعت کے ساتھ ظالم کے سامنے اٹھ کھڑا ہو اور اپنے حق کا مطالبہ کر سکے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے پوچھا۔

"تمہارا گھر کہاں ہے؟

عورت نے جواب دیا۔ فلاں جگہ ہے۔

"آؤ چلیں"

حضرت علیؓ اس عورت کے ساتھ اس کے گھر گئے

اور دروازے پہ کھڑے ہو کر آواز دی۔
"اہل خانہ، السلام علیکم۔"
ایک نوجوان گھر سے باہر آیا۔ یہ اس فریادی عورت کا شوہر تھا۔ وہ نوجوان حضرت علیؓ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک ساٹھ سالہ بوڑھا آدمی اس کی زوجہ کے ساتھ آیا ہے۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ اسکی بیوی اس پیر مرد کو اپنی حمایت میں لے آئی ہے۔ مگر اس نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا۔
علیؓ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:
"یہ عورت تمہاری بیوی ہے، اس کو تم سے یہ شکایت ہے کہ تم نے اسکے ساتھ ظلم کیا ہے اور اسے گھر سے باہر نکال دیا ہے۔ اس کے علاوہ تم نے اسے مارنے کی بھی دھمکی دی ہے۔ میں تمہارے پاس یہ کہنے کے لئے آیا ہوں کہ خدا سے ڈرو اور اپنی زوجہ کے ساتھ اس قسم کی بداخلاقی سے پرہیز کرو۔"
"تم سے کیا مطلب کہ میں اپنی زوجہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں یا بداخلاقی سے پیش آتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ میں نے اسے مارنے کی دھمکی دی تھی لیکن چونکہ یہ تمہیں اپنی حمایت ومدد کے لئے لائی ہے اس لئے اب میں اسے زندہ جلا دوں گا۔"
حضرت علیؓ کو اس نوجوان کی گستاخی پہ حیرت ہوئی۔ انھوں نے فوراً نیام سے تلوار نکالی اور اس گستاخ نوجوان کو للکارا۔

"میں تجھے نصیحت کر رہا ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ اور تو مجھے اس طرح جواب دے رہا ہے کہ تو اس عورت کو زندہ جلا دیگا۔ شاید تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ دنیا میں اتنی ناانصافی پھیل چکی ہے اور انصاف کی حمایت کرنے والا کوئی نہیں ہے"

جیسے ہی حضرت علیؑ کی آواز بلند ہوئی لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر ان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ جو شخص انکے سامنے آتا ان کی تعظیم کے لئے اپنی گردن جھکا دیتا اور یہ کہتا۔ "السلام علیکم یا امیر المؤمنین"

وہ مغرور نوجوان فوراً سمجھ گیا کہ اس نے کس کے سامنے گستاخی کی ہے۔ اس کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"یا امیر المؤمنین مجھے معاف کیجئے میں اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں اور اس وقت یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں اپنی زوجہ کے ساتھ اس قسم کی بدسلوکی کبھی نہ کروں گا۔ بلکہ اس کے ساتھ محبت، نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آؤں گا۔"

اس کے بعد حضرت علیؓ اس عورت کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا "اب تم اپنے گھر جاؤ اور دیکھو آئندہ خیال رکھنا اور اپنے شوہر کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا کہ اسے اس قسم کی بد اخلاقی کے لئے مجبور ہونا پڑے۔

(راہ اسلام)

مشعلِ راہ

حضرت خبیب انصاری رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ میں سے تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ہی واقعہ ساری انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

ایک مرتبہ سرداران اور مشرکین مکہ کی ایک جماعت نے محسنِ انسانیت ﷺ کے سامنے آکر خود کو مسلمان ظاہر کیا اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے آخری نبی ﷺ! ہمارے ساتھ قرآن کے کچھ قاریوں کو کر دیجئے تاکہ وہ ہمیں قرآن سکھائیں محسنِ انسانیت ﷺ نے ان کے ساتھ قاریوں کی ایک جماعت کو روانہ کر دیا۔ ان قاریوں میں حضرت خبیب رضؓ بھی تھے۔ ساتھ جانے والے منافقوں نے راستے میں بدعہدی کی اور ان میں سے اٹھارہ ۱۸ کو شہید کر دیا اور دو ۲ کو مکہ مکرمہ لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ان میں سے ایک کو شہید کر ڈالا۔ اب صرف حضرت خبیب رضؓ باقی رہ گئے تھے۔ ان کو بھی مکہ مکرمہ میں قید کر دیا۔

حضرت خبیب رضؓ کو حجیر ابن وہاب نے عتبہ بن حارث بن عامر کے لئے خرید لیا۔ وہ ان سے عامر کے بیٹے حارث کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے جس کو انھوں نے بدر میں قتل کیا تھا۔ یہ قید میں پڑے ہیں۔ لیکن قید کی ظلمتوں

میں بھی ان کے اخلاق وایمان کا نور ماحول میں اُجالا پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جن کے قلوب پر ابھی پردے نہ پڑے ہوں، ان کے قلوب کو یہ روشنی نور ایمان سے منور کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مکے کی گلیوں میں پھر اسی بات کے چرچے ہو رہے ہیں کہ آج تنعیم میں خبیبؓ کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور وہ۔ وہ تو بالکل بے فکر ہیں جیسے کہ کچھ ہونے والا ہی نہ ہو۔ ان کے چہرے سے ذرہ برابر پریشانی کا اظہار نہیں ہوتا۔ نہ جانے انہیں یہ سکونِ قلب، یہ طمانیت کہاں سے حاصل ہو گئی۔ ان پر سکون قلب کیوں نہ طاری ہو۔ انکی جان تو اللہ کی راہ میں جا رہی ہے۔ ان کا تو خون راہ خدا میں بہنے والا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک مومن کی اور کیا معراج ہو سکتی ہے۔

قتل کا وقت قریب آچکا ہے۔ خبیبؓ نے صفائی کیلئے استرا منگوایا، جو انھیں بھیج دیا گیا۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ ادھر آنکلتا ہے۔ خبیبؓ اس ننھے سے بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیتے ہیں۔ وہ قیدی تھے۔ ان کی خطا اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ دین حق کی شہادت نہ صرف اپنے قول سے بلکہ اپنے عمل سے بھی دیتے تھے۔ اور آج انھیں اس "جرم" پر قتل کیا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی اس بیدردی کے ساتھ۔ ایسی حالت میں جب کہ کسی دشمن کے ہاتھوں مارے جانے کا یقین ہو چکا ہو، اور عین اسی وقت دشمن کا کوئی بچہ انکے

ہاتھ آجائے تو کیا اس شخص سے یہ امید رکھی جا سکتی ہے
کہ وہ اسے بغیر جانی نقصان پہنچائے یوں ہی چھوڑ دیگا۔
مشرکین تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑیگا
لیکن مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول صلعم نے مکارم اخلاق
کچھ اور ہی سکھائے تھے۔ خبیبؓ اس معصوم بچے کو گود میں
بٹھائے اس سے کھیل رہے تھے۔ کہ حجیر کی لونڈی ماویہ ادھر
آنکلی۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا تو وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔ ایسا
پیروں تلے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے
چاروں طرف اندھیرا سا چھا گیا۔ مارے خوف و دہشت کے
اس کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ لیکن خبیبؓ نے
ماویہ کے چہرے کے آثار چڑھاؤ کو بھانپ لیا۔ انھوں نے
ماویہ کی پریشانی کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا مطمئن رہ
ہم اس معصوم کی جان نہیں لیں گے۔ ہمارا مذہب ہمیں یہ
نہیں سکھاتا۔" اور انھوں نے بچے کو اپنی گود سے علیحدہ
کر دیا۔ ان کی بلند کرداری اس قسم کی حرکت سے انہیں
روک دیتی ہے۔ اور دیکھنے والوں کے لئے یہاں دیکھنے کو
بہت کچھ سامان موجود ہوتا ہے۔ وہ کردار کے اس آئینے
میں اس دین کا مشاہدہ کرتے ہیں جو انھیں اس قدر نیک
بنا دیتا ہے۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ کچھ عرصہ بعد ہی ماویہ
اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کا پیمان باندھ رہی تھی
خبیبؓ کو تنعیم میں لایا جا چکا ہے۔ کوئی دم میں انھیں

قتل کیا جائے گا۔ اور قبل اس کے کہ خبیبؓ قتل کر دیئے جائیں وہ مشرکین سے اس بات کی اجازت لے رہے ہیں کہ وہ آخری بار اپنے مالک کے حضور میں سجدۂ بندگی بجا لائیں۔ اور اجازت پاکر پورے سکون و اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ کیا مشرکین کے دل میں یہ کسک اس وقت پیدا نہ ہوئی ہوگی کہ کاش ہم بھی اس خدا کو ماننے ہوتے جس کے آگے یہ سر جھکا رہا ہے۔ عقل رکھنے والوں نے ضرور یہ بات محسوس کی ہوگی۔ خبیبؓ نے جلد ہی نماز ختم کر دی اور کہہ رہے ہیں: اے لوگو! اس ڈر سے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں موت کے ڈر سے نماز دیر تک پڑھ رہا ہوں، میں نے مختصر کر دی ہے۔

جانتے ہو پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ مشرکین کے ستر بہادر پہلوان اور نوجوان آئے اور یک وقت ہر طرف سے آپ کے جسم مبارک پر تیز اور زہر میں بجھے ہوئے نیزے چبھانے لگے۔ ہم کو راستہ چلتے چلتے ایک کانٹا چبھ جائے تو ہمارا کیا حال ہوتا ہے۔ مگر خبیبؓ کو دیکھئے کہ ستر نیزے یک وقت چبھے گئے اور اس وقت آپ سے پوچھا گیا کہ اے خبیبؓ! ابھی تم اسلام کو پسند کرتے ہو اور اگر تم انکار کرتے تو اپنے گھر میں آرام سے ہوتے اور تمہاری جگہ اس وقت تمہارے نبیؐ ہوتے۔ تو حضرت خبیبؓ نے جواب دیا۔ ہرگز نہیں! اللہ محسن انسانیتؐ کو سلامت

میرے ماں باپ، بیوی بچے سب آپ پر قربان ہیں۔ میں اس حال میں ہرگز جینا نہیں چاہتا کہ محسنِ انسانیتؐ کے ایک کانٹا بھی چبھے۔ یہ تھا عشقِ رسولؐ کا عالم۔ اسی وقت سولی پر چڑھ کر فی البدیہہ یہ الفاظ اشعار کے قالب میں ڈھل گئے۔ وہ کہہ رہے ہیں:

"میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ اسلام کی دولت
سے مالا مال ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں۔ مجھے اب فکر
کس بات کی ہے۔ مجھے کوئی فکر نہیں کہ خدا کی
راہ میں مجھے کس کروٹ گرنا نصیب ہو رہا ہے"۔

اور ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے اور وہ عرض کر رہے ہیں کہ اے اللہ میرا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہیں پہنچا دے۔ اسی وقت حضرت جبرئیلؑ حضرت خبیبؓ کا سلام لے کر حضور اقدسؐ کی خدمت میں پہنچے اور حضرت خبیبؓ کا سلام پہنچا دیا۔ آپؐ مسجد نبوی میں نماز جماعت کے لئے تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا! تمہاری بھائی حضرت خبیبؓ شہید کر دئے گئے۔ یہ سن کر تمام صحابہ کرامؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سب نے دعائے مغفرت کی۔ استقامت اسی کو کہتے ہیں جو ایک مومن کی زندگی کی سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے۔

حدیث کی برکت

جب امام بخاریؒ کے استاد کا انتقال ہوا تو کسی نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالےٰ نے سامنے بلا کر فرمایا کہ ارے بڈھے بتا فلاں دن تو نے یہ عمل کیوں کیا۔ میں حیران کھڑا رہا۔ پھر حکم ہوا ارے بڈھے بولتا کیوں نہیں خاموش کیوں ہے۔ میں نے عرض کیا۔ بار الٰہا! میں ایک بات سوچ رہا ہوں، ارشاد ہوا وہ کیا ہے؟ عرض کیا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سُنی تھی جس کا آج خلاف ہو رہا ہے۔

حکم ہوا وہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اللہ تعالےٰ بڈھے مسلمان کو عذاب دینے سے شرماتا ہے۔ اور یہاں الٹا معاملہ نظر آرہا ہے۔ ارشاد ہوا، تیرے راوی اور ہمارے رسولؐ دونوں سچے ہیں، جا آج ہم نے تجھ کو محض تیرے بڑھاپے کی وجہ سے بخش دیا۔ سبحان اللہ کیا رحمت اور کیا اطمینان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی برابر حدیث بیان کی جا رہی ہے۔ ایمان، اعمالِ صالحہ، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد اور کثرتِ ذکر ان چار چیزوں سے حُسنِ خاتمہ حاصل ہوگا۔

ہم کس لئے پیدا ہوئے؟

حضرت بہلولؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بصرہ کی سڑک پر جا رہا تھا۔ راستے میں لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے اور ایک لڑکا ان کے قریب کھڑا رو رہا تھا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ اس لڑکے کے پاس بادام اور اخروٹ نہیں ہیں اسی وجہ سے یہ رو رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا بیٹے تم کو اخروٹ اور بادام خرید دوں گا تم بھی ان سے کھیلنا۔ اس نے میری طرف مڑ کر کہا "ارے بیوقوف کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں" میں نے پوچھا "پھر کس لئے پیدا ہوئے ہیں؟ کہنے لگا "علم حاصل کرنے کے واسطے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے" میں نے کہا "اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت عطا فرمائے۔ تم نے یہ بات کہاں سے معلوم کی؟ کہنے لگا "حق تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (مومنون ع۶) ترجمہ:۔ کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹائے نہیں جاؤ گے۔)

میں نے کہا بیٹے تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو مجھے کچھ نصیحت کرو۔ اس نے چار شعر پڑھے اور وہ بیہوش

ہو کر گر پڑا۔ میں نے جلدی سے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اس کے منہ پر جو مٹی لگ گئی تھی، پونچھنے لگا۔ جب اس کو ہوش آیا تو میں نے کہا۔ بیٹا ابھی سے تم کو اتنا خوف کیوں ہو گیا ہے۔ ابھی تو تم بچے ہو۔ ابھی تمہارے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہ لکھا جائیگا۔ پھر کیوں اتنے خوفزدہ ہو؟ کہنے لگا ہٹ جاؤ، میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا ہے کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہیں تو پہلے چھوٹی چھوٹی چپٹیاں چولھے میں رکھتی ہیں اس کے بعد بڑی لکڑیاں رکھتی ہیں۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ میں نہ رکھ دیا جاؤں۔" میں نے کہا صاحبزادے تم تو بڑے حکیم معلوم ہوتے ہو مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو۔ اس پر اس نے چودہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے موت کو ہانکے چلا آ رہا ہے، اگر میں آج نہ گیا تو کل ضرور چلا جاؤں گا۔ میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ کیا حالانکہ میرے بدن کے لئے (قبر میں جا کر) گلنے اور سڑنے کے سوا چارہ کیا ہے، وہ منظر آج گویا اس وقت میرے سامنے ہے جبکہ میں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں گا۔ میرے اوپر مٹی کا ڈھیر ہو گا اور نیچے قبر کا گڑھا ہو گا اور میرا یہ حسن و جمال سارے کا سارا جاتا رہیگا۔

میں بالکل مٹ جاؤں گا حتےٰ کے میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میری عمر تو ختم ہوتی جارہی ہے لیکن آرزوئیں بڑھتی جاتی ہیں۔ سفر طویل ہے اور زادِ راہ کچھ نہیں۔ میں نے علانیہ گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان اور محافظ کا مقابلہ کیا اور ایسی بُری حرکتیں کی ہیں جو اب واپس نہیں ہوسکتیں۔ میں نے لوگوں سے چھپانے کے لئے پردے ڈالے کہ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن میرے جتنے چھپے گناہ ہیں وہ کل اس مالک کے سامنے پیش ہوجائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ مجھے اس کا خوف ضرور تھا لیکن میں اس کے غایت حلم پر بھروسہ کرتا رہا جس کی وجہ سے گناہ پر جرأت ہوتی رہی۔ اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ بڑا غفور ہے اس کے سوا کون معاف کرسکتا ہے۔ بیشک تمام تعریفیں اسی پاک ذات کے لئے ہیں۔ اگر موت کے اور مرنے کے بعد گلنے سڑنے کے سوا کوئی دوسری آفت بھی نہ ہوتی تب بھی مرنے اور سڑنے ہی میں اس بات پر کافی تنبیہ تھی کہ لہو ولعب سے احتراز کیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہماری عقل زائل ہوگئی کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ بس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت فرمادے۔ جب کسی غلام سے کوئی لغزش ہوتی ہے تو آقا ہی اسے معاف کرتا ہے۔ بے شک میں بدترین بندہ ہوں جس نے اپنے مولا کے عہد میں خیانت کی اور نالائق

غلام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی قول و قرار معتبر نہیں ہوتا۔ میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی تو میرا کیا حال بنے گا۔ جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اس آگ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ میں موت کے وقت بھی تنہا ہوں گا اور قبر میں بھی اکیلا جاؤں گا قبر سے بھی اکیلا ہی اٹھوں گا (کسی جگہ بھی کوئی میرا معین و مددگار نہ ہوگا) اے وہ پاک ذات جو خود اکیلی ہے ایسے شخص پر رحم فرما جو بالکل تن تنہا رہ گیا ہے"

اس کے یہ اشعار سن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا۔ میں نے ان بچوں سے پوچھا کہ یہ بچہ کون تھا وہ کہنے لگے تم نہیں جانتے یہ حضرت امام حسین رضؓ کے صاحبزادے زین العابدینؒ ہیں۔

(روض)

ایک عابد

بنی اسرائیل میں جریج نامی ایک عابد تھا۔ وہ عبادت خانے میں نماز میں مشغول تھا۔ اس کی ماں وہاں آئی اور اس نے جریج کو بلایا۔ جریج نماز میں مشغول رہنے کی وجہ سے جواب نہ دیا۔ ماں واپس لوٹ گئی اور دوسرے دن پھر آئی اور اس کو پکارا لیکن اس مرتبہ بھی نماز میں

مشغول رہنے کی بنا پر جواب نہ دیا۔ اس کی ماں نے بددعا دی کہ الٰہی اس وقت تک نہ مرے جبتک کہ بدکار عورت کا منہ نہ دیکھ لے"

بنی اسرائیل میں جریج کی عبادت کا بہت چرچا ہوا۔ ایک حسین اور بدکار عورت نے کہا کہ دیکھو میں اس کے تقوے کو برباد کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ عورت اس کے روبرو گئی لیکن وہ اس کی طرف دھیان نہ کیا۔ تو وہ چرواہے کے پاس گئی جو جریج کے عبادت خانے کے پاس چرایا کرتا تھا اس نے اس سے بدکاری کی اور جب لڑکا پیدا ہوا تو اُس بدکار عورت نے کہا کہ یہ جریج کا لڑکا ہے۔ پھر تو سب بنی اسرائیل جریج سے بداعتقاد ہوگئے اور اسکو عبادتخانے سے باہر نکال کر اسکو ڈھا دیا اور مارپیٹ کرنے لگے۔ جریج نے کہا تم کو کیا ہوگیا جو مجھ کو مارتے ہو۔ لوگوں نے کہا تونے ایسی بدکاری کی ہے جس سے لڑکا پیدا ہوا۔ جریج نے کہا وہ لڑکا کہاں ہے۔ لوگ اسکو سامنے لائے۔ جریج نے کہا اب مجھ کو چھوڑو نماز پڑھنے دو۔ پھر وہ نماز پڑھ کے لڑکے کے پاس آیا اور اس کے پیٹ میں انگلی گڑا کر کہا اے لڑکے بول کہ تیرا باپ کون ہے۔ لڑکا بولا کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے پھر تو سب لوگ جریج کو چومنے لگے اور کہا کہ ہم تیرے عبادتخانے کو سونے کا بنا دینگے۔ لیکن جریج نے کہا کہ مجھ کو اسکی حاجت نہیں پہلے جیسا مٹی کا تھا ویسا ہی بنا دو۔ تو لوگوں نے اُسی طرح بنا دیا

(تحفۃ الاخیار ترجمہ (مشارق الانوار باب ہفتم۔ صـ ۳۹-۲۳۸)

انقلاب لانے والی توبہ

بنی اسرائیل کی کتب میں آیا ہے کہ ایک نہایت حسین رقاصہ تھی وہ ایک تخت پر اکثر ناچتی رہتی تھی اور اُس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ جو بھی اُدھر سے گزرتا اس کی نگاہ اس پر پڑتی وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا۔ چنانچہ وہ کم از کم دس دینار لئے بغیر اُس شخص کو پاس نہ آنے دیتی تھی۔

ایک دن ایک اسرائیلی عابد وہاں سے گزرا اس کی نظر اس پر جا پڑی اور وہ بھی فریفتہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ آہیں بھرتا پھرتا تھا۔ اپنے نفس سے خوب جنگ کی، آخر اسکے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ خدا کی بارگاہ میں دعا کرے کہ یہ خیال اس کے دل سے نکل جائے، مگر اس عورت نے اس کے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالا تھا کہ زائل نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اپنا سارا مال و اسباب فروخت کر کے اس سے جو وصول ہو اس کے ذریعے اس عورت تک رسائی حاصل کرے۔ سو اُس نے ایسا ہی کیا۔ جب روپیہ لے کر اس کے پاس حاضر ہوا، تو عورت نے کہا یہ مطلوبہ رقم میرے وکیل کے پاس جمع کرا دو اور فلاں وقت آ جاؤ۔ چنانچہ اس نے روپیہ جمع کرا دیا اور وقت مقررہ پر اسکے پاس آیا۔ وہ عورت اُس وقت بناؤ سنگار کر کے تخت پر

بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ دل لگی کرنے لگا۔ اچانک اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر نازل ہوئی اور اس کی پہلی اطاعت اور عبادت کے عوض خدا نے اسے اس بدی سے بچا لیا۔ وہ اس طرح کہ عابد کے دل میں خیال آیا، اگرچہ میں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں مگر خدا تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر میں نے حرام کاری کی تو میرے تمام اچھے اعمال غارت ہو جائیں گے۔

اس خیال کے آتے ہی خوف الٰہی سے اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ عورت نے معلوم کر لیا۔ پوچھا تجھے کس کا خوف ہے؟ اس نے جواب دیا، میں اللہ تعالےٰ کا خوف کر رہا ہوں مجھے اجازت دے کہ میں جلد یہاں سے چلا جاؤں۔ عورت نے کہا تجھ پر افسوس ہے، کئی لوگ اس بات کی خواہش کرتے ہیں جو تجھے حاصل ہوئی اور تو اس سے منہ موڑتا ہے، آخر کیوں؟ عابد نے جواب دیا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، جو مال میں نے تیرے وکیل کو دے دیا ہے وہ تجھ پر حلال ہے (تیرا ہو گیا) اور میں جاتا ہوں۔ عورت نے کہا معلوم ہوتا ہے تو نے اس کا ذائقہ کبھی نہیں چکھا۔ اس نے جواب دیا، ہاں نہیں چکھا۔ عورت نے پوچھا تم کہاں رہتے ہو اور تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے اپنا نام اور پتہ بتلا دیا۔ تب عورت نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور عابد اپنی حالت پر روتا اور افسوس کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

خدا کی قدرت اس عابد کے سبب سے اس عورت کے دل میں خوف الٰہی غلبہ پانے لگا۔ دل میں کہنے لگی کہ اس شخص نے پہلی مرتبہ بُرائی کا ارادہ ہی کیا تھا کہ خدا کے خوف سے ڈرنے لگا اور ایک میں ہوں کہ اتنی مدت سے بُرائی کر رہی ہوں اور ابھی تک خدا سے نہیں ڈری۔ مجھے تو اس عابد سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

اس خیال کے آتے ہی اس نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں توبہ کی، پھٹے پُرانے میلے کچیلے کپڑے پہن لئے۔ لوگوں کو اپنے پاس آنے سے روک دیا۔ پھر جہاں تک ہو سکا اللہ کی عبادت میں لگی رہی۔ کچھ مدت کے بعد اسے خیال آیا کہ اگر میں اس عابد کے پاس جاؤں تو شاید وہ مجھ سے نکاح کر لے اور میں اس کی خدمت میں رہ کر دین کی باتیں سیکھوں اور خدا کی راہ میں وہ میری مدد کرے۔ چنانچہ وہ اپنا مال اور خادم ساتھ لے کر پتہ پوچھتی ہوئی عابد کے گاؤں پہنچی۔ لوگوں نے عابد کو بتایا کہ کوئی عورت تم سے ملنے آئی ہے۔ عابد باہر آیا۔ عورت نے عابد کو پہچان لیا اور اُسے پُرانا واقعہ یاد آگیا جس کے ساتھ ہی اسکے چیخ نکل گئی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

عورت کہنے لگی میں تو اس کی تلاش میں ماری ماری بڑی مشکل سے یہاں پہنچی تھی اور اس نے مجھے دیکھتے ہی جان دیدی۔ پھر اس نے پوچھا عابد کے خاندان میں سے

کوئی ہے جو مجھ سے نکاح کر لے ؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا ایک مفلس بھائی ہے جس کے پاس کچھ نہیں۔ عورت نے کہا پرواہ نہیں۔ زندگی گزارنے کے لئے میرے پاس مال موجود ہے۔ چنانچہ اس نے اس کے بھائی سے نکاح کر لیا۔ اس صالح شخص کے ہاں اس عورت سے سات بیٹے پیدا ہوئے، جو سب کے سب بنی اسرائیل کے پیغمبر ہوئے۔

(غنیۃ الطالبین صفحہ ۸۵-۱۸۴)

امام وقت

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں کوفہ کے نزدیک ایک مقام سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھر میں کچھ فاسق شراب پی رہے ہیں۔ اور "زاذان" نام کا ایک گویا بربط بجا رہا تھا اور بہت عمدہ آواز میں گانا گا رہا تھا۔ کہتے ہیں، میں نے آواز سن کر کہا۔ کیا ہی اچھی آواز ہے۔ کاش اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔

عبداللہ بن مسعودؓ اپنے سر پر چادر اوڑھ کر چلے گئے۔ زاذان نے آپ کے الفاظ سن لئے تھے۔ اس نے لوگوں سے پوچھا، یہ کون تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آنحضرتؐ کے صحابی عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ پھر پوچھا اس نے کیا

کہا تھا؟ لوگوں نے جواب دیا وہ کہتے تھے کہ کتنی اچھی آواز ہے کاش اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔
یہ سُن کر "زاذان" کے دل میں ہیبت پیدا ہوئی۔ اُٹھ کھڑا ہوا، بربط کو زمین پر مار کر توڑ دیا، پھر دوڑا ہوا عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گیا اپنی گردن میں پگڑی ڈال لی اور ان کے قدموں پر گر کر رونے لگا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے گلے سے لگا لیا، اور خود بھی رونے لگے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا "جس شخص سے خدا محبت کرتا ہے میں اُسے کیوں نہ اپنا دوست بناؤں؟" اس کے بعد زاذان انہیں کی خدمت میں رہنے لگا۔ قرآن سیکھا اور دوسرے علوم بھی حاصل کئے اور ایسا کمال ہاتھ آیا، کہ وقت کا امام ہو گیا۔ بہت سی حدیثوں میں زاذان نے عبداللہ بن مسعودؓ اور سلمان فارسی رضؓ سے روایت کی ہے۔

(غنیۃ الطالبین)

دولتِ دُنیا سے بے نیازی

گھر سے نکلے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے، اور اب رہ رہ کر بوڑھی ماں اور وطن کی محبت ستا رہی تھی۔ یمانی نے امام مالکؒ سے اسی وقت اجازت چاہی اور کہا اب میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت

میں پہنچ جاؤں جو دن رات مجھے یاد کرتی ہوں گی اور میرے خیال میں بے قرار ہوں گی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سُنا تو تاکید فرمائی کہ شافعیؒ فوراً سفر کی تیاری کرو۔ چنانچہ میں نے اسی وقت سامانِ سفر باندھنا شروع کر دیا، امام صاحبؒ نے ایک آدمی پہلے مکے کی جانب روانہ کر دیا کہ وہ جا کر پہلے سے میرے گھر والوں کو یہ اطلاع کر دے کہ ادریس شافعی تعلیم سے فارغ ہو کر مکے پہنچ رہے ہیں۔

اور اب میں اس شان کے ساتھ روانہ ہوا کہ میرے آگے پیچھے خراسانی گھوڑے اور مصری خچر، کپڑوں، غلّوں اور درہم و دینار سے لدے ہوئے تھے۔

پہلے کے مقابلے میں آج کا سفر نہایت طویل محسوس ہو رہا تھا، راستے میں مکے کی گلیوں اور کبھی بوڑھی ماں کی محبت بھری آواز کا خیال آتا، کبھی اپنے ساتھی یاد آتے۔ انہیں یادوں میں وطن سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ جب حدودِ حرم میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چند عورتیں میرے انتظار میں کھڑی ہیں اور میری بوڑھی ماں بھی مجھے اپنے گلے سے لگانے کے لئے بے قرار ہیں۔ جیسے ہی میں قریب پہنچا اور گھوڑے سے نیچے اُترا تو ماں نے مجھے گلے لگا لیا اور دیر تک خوشی کے آنسو بہاتی رہیں، پھر میری بوڑھی خالہ آگے بڑھیں، انھوں نے مجھے چمٹا لیا اور میری پیشانی

چومنے لگیں۔ اب مکّے کے بہت سے مرد اور عورتیں، بچے یہاں جمع ہو گئے تھے۔

میں دیر تک وہاں کھڑا اپنے لائے ہوئے قیمتی سامان کو دیکھتا رہا اور کبھی اپنی بوڑھی ماں کو، مگر میں نے دیکھا کہ سب خوش ہیں لیکن میری ماں کے چہرے پر نام کو بھی مسکراہٹ نہیں۔ جب کافی دیر ہو گئی تو میں آگے بڑھنے لگا اور ماں سے بھی عرض کیا کہ چلئے اماں۔

بوڑھی ماں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولیں کہاں چلیں؟ میں نے کہا اماں! گھر چلئے۔

بولیں بیٹے یاد ہے جب میں تجھے رخصت کر رہی تھی تو میرے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، اور میں تیرے شوق کو دیکھ کر وہی تیرے حوالے کیں اور تجھے ایک فقیر کی طرح گھر سے روانہ کیا تھا اور اس آرزو کے ساتھ روانہ کیا کہ تو "حدیث رسول" کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے۔ بیٹے! میں نے تجھے یہ دنیا کی دولت لانے کے لئے کب بھیجا تھا؟ بیٹے یہ تو غرور کی پونجی ہے! کیا تو یہ سب اس لئے لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر اپنی فوقیت جتائے اور انہیں حقیر سمجھے۔

میں بالکل خاموش کھڑا اپنی بوڑھی ماں کو تک رہا تھا اور سوچ رہا تھا، اللہ اکبر! دولت دنیا سے یہ بے نیازی علم دین کی یہ عظمت، خدا پر یہ بھروسہ! میرا دل عقیدت

سے جھک گیا، اور میری آنکھیں گرم آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور مجھے جو کچھ ملا ہے ماں کی مقبول دعاؤں اور پاک آرزو کی بدولت ہی ملا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ برسوں پڑھنے اور سیکھنے کے باوجود بھی آج جو بوڑھی ماں نے مجھے جو کچھ سکھایا وہ میں اب تک جذب نہ کر سکا تھا، اور میں نے شوق و محبت میں اپنی ماں کے ہاتھ چوم لئے۔

پھر نہایت عاجزی سے میں نے کہا، امی! فرمائیے اب میں کیا کروں؟ بولیں، بیٹے کرنا کیا ہے، اعلانِ عام کر دے کہ بھوکے آئیں اور غلّہ لے جائیں، پیادے آئیں اور سواریاں لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑے لے جائیں، نادار آئیں اور دولت لے جائیں۔

میں نے اسی وقت اعلانِ عام کرا دیا اور ذرا ہی دیر میں وہ ساری دولت مکے کے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہو گئی۔ اب میرے پاس ایک خچر اور پندرہ دینار کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہم لوگ مکے میں داخل ہوئے، اتفاق سے راستے میں میرا کوڑا گر گیا۔ ایک باندی پیٹھ پر مشک لادے جا رہی تھی، اس نے لپک کر کوڑا اٹھایا اور نہایت ادب سے میرے حوالے کیا۔

میں اس باندی کو انعام دینے کے لئے پانچ دینار نکالے تو ماں نے بگڑ کر کہا، بس بیٹے یہی پانچ دینار ہیں تیرے پاس؟

میں : نہیں امی ! ابھی دس اور ہیں۔

امی : تو بیٹے وہ دس کس لئے رکھے ہیں!

میں : امی ! رکھ لئے ہیں کہ وقت بے وقت کام دینگے اور غلّہ بھی تو نہیں بچا ہے، شاید آج ہی ضرورت پڑے۔

امی : ارے بیٹا تعجب ہے دس دینار پر تو اتنا بھروسہ اور سب کچھ دینے والے پر ذرا بھروسہ نہیں۔ نکال سارے دینار اور اس باندی کے حوالے کر۔

میں نے سارے دینار اس باندی کے حوالے کر دئے۔ اور اب میرا ہاتھ بالکل خالی تھا، لیکن دل ایسا غنی تھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غنی نہ تھا۔

ماں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑے پیار سے فرمایا بیٹے! اب تو اسی حال میں اپنے جھونپڑے میں داخل ہو جس حال میں وہاں سے نکلا تھا، مگر آج میرے جھونپڑے میں وہ روشنی ہو گی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بیٹے خدا نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے، میں نہیں چاہتی کہ یہ نور دُنیا کی فانی راحتوں سے دھندلا ہو، اور اس میں کمی آئے۔

بیٹے! تجھے یاد ہے میں نے رخصت کرتے وقت تجھے دُعا دی تھی کہ خدا تجھے علم کے آسمان پر سورج بنا کے چمکائے۔ بیٹے میں نہیں چاہتی کہ دنیوی مال و دولت کی بدیوں میں اس سورج کی روشنی پھیکی پڑے اور اسلامی دنیا اس سے روشن نہ ہو سکے۔

اُستاد کا احترام

حرّان میں ایک مسافر حجّام کو اس کی گستاخی پر تنبیہ کر رہے تھے۔ کہ حمام میں سے حرّان کے ایک رئیس نہا کر نکلے۔ ملازموں نے جھٹ ان کے حضور سواری پیش کر دی۔ لیکن وہ سواری پر بیٹھنے کے بجائے مسافر کی آواز سُن کر ادھر آ گئے۔ اور مسافر سے پوچھا کیا آپ محمد بن ادریس ہیں ؟ جی ہاں ! میں محمد بن ادریس شافعی ہوں

یہ سُنتے ہی رئیس نے بڑی عقیدت کے ساتھ سواری امام صاحب کے آگے کر دی اور نہایت خاکساری سے کہا حضرت اس پر بیٹھئے اور غریب خانے پر تشریف لے چلیئے امام صاحب بے تکلف سواری پر بیٹھ گئے اور سواری روانہ ہو گئی۔ غلام آگے آگے سر جھکائے چل رہا تھا اور آپ سوار پر تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں سواری اس رئیس کی کوٹھی پر پہنچ گئی۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ رئیس بھی پہنچ گئے۔

رئیس کی بے انتہا خوشی اور غیر معمولی خاطر تواضع دیکھ کر امام صاحب حیران تھے کہ آخر یہ کون شخص ہے اور مجھ مسافر کے ساتھ احترام و محبت یہ سلوک کیوں کر رہا ہے اس عقیدت و عظمت کی کوئی وجہ ضرور ہے۔

تھوڑی دیر بعد دستر خوان بچھ گیا، قسم قسم کے

کھانے چُننے گئے، اور رئیس نے لوٹا اُٹھا کر امام صاحب سے کہا، حضرت ہاتھ دھو لیجیے۔ امام صاحب اُٹھے۔ ہاتھ دھوئے اور بیٹھ گئے، لیکن کھانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ رئیس نے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا، حضرت کھائیے مزاج کیسا ہے؟ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ امام صاحب نے ذرا سمٹتے ہوئے کہا۔ رئیس کچھ پریشان ہوئے اور بولے حضرت کیوں؟ کیا بات ناگوار ہوئی کچھ بتائیں تو؟

امام صاحب نے کہا جب تک آپ یہ نہ بتائیں گے کہ آپ کون ہیں اور مجھے آپ نے کیسے پہچانا تب تک میں نوالہ نہ لوں گا۔ رئیس بولے یہ کونسی بات ہے، آپ اطمینان سے کھانا کھائیے۔ دراصل میں آپ کا شاگرد ہوں۔ جب آپ بغداد تشریف رکھتے تھے، اُس وقت آپ نے ایک عظیم کتاب لکھ کر سنائی تھی۔ اس کتاب کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا۔ آپ میرے اُستاد ہیں اور آپ کی خدمت اور عظمت مجھ پر واجب ہے۔

یہ سن کر امام صاحب بے انتہا خوش ہوئے۔ اُٹھے اور رئیس کو گلے لگا لیا۔ پھر فرمایا علم دین کا رشتہ واقعی بہت بڑا رشتہ ہے۔ اور پھر خوشی خوشی رئیس کے ساتھ کھانا کھایا۔

سعادتمند شاگرد کے یہاں رہتے ہوئے تین دن ہو چکے تھے، چوتھے دن بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ رئیس نے کہا، حضرت حرّان کے اطراف میرے چار

گاؤں ہیں، اور خدا گواہ ہے کہ یہ چاروں انتہائی زرخیز ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ آپ یہیں حران میں رہ جائیں اور یہ چاروں گاؤں آپ قبول فرمالیں۔

چاروں گاؤں مجھے دیدوگے تو تمہاری گزر بسر کیسے ہوگی۔ امام صاحب نے کہا۔

حضرت آپ فکر نہ کریں، دیکھئے ان بکسوں میں چالیس ہزار دینار موجود ہیں۔ میں اس رقم سے کوئی بڑا کاروبار کرلوں گا۔ سعادتمند شاگرد نے کہا۔

میرے عزیز! میں گھر سے اس لئے تو نہیں نکلا ہوں کہ دنیا کی دولت کماؤں اور آسائش حاصل کروں میں تو اپنی بوڑھی ماں کی یہ دعا لے کر نکلا ہوں کہ "خدا تجھے آسمان علم پر سورج بنا کر چمکائے" امام شافعیؒ نے بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔

سعادتمند شاگرد نے دوبارہ درخواست کی کہ حضرت آپ میری یہ رقم ہی قبول فرمالیں۔ نہ معلوم اس مبارک سفر میں اس اعلیٰ مقصد کے لئے آپ کو کہاں کہاں جانا پڑے، لہذا آپ یہ رقم قبول ہی فرمالیں۔ شاگرد نے یہ درخواست کچھ اس عقیدت اور خلوص کے ساتھ کی کہ امام صاحب اس کی درخواست رد نہ کر سکے اور وہ رقم لے کر روانہ ہوئے۔

راستے میں احمد بن حنبلؒ ملے، سفیانؒ ملے، امام اوزاعیؒ

ملے، اور دوسرے بہت سے علماء ملے۔ امام شافعی رح کھلے دل سے رقم ان بزرگوں میں تقسیم کرتے گئے۔ یہاں تک کہ جب شہر رملہ میں پہنچے تو ان کے پاس اس چالیس ہزار کی اتنی بڑی رقم میں سے صرف دس دینار باقی تھے۔

ایک روٹی کا پلّہ

ستّر برس سے ایک عابد اپنی خانقاہ میں عبادت کرتا تھا۔ اچانک ایک رات شدید سردی میں ایک حسین عورت نے عابد کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ عابد نے دروازہ کھولا۔ اور عورت کو دیکھتے ہی اُس کے حُسن وجمال پر فریفتہ ہوگیا۔ اور اس کو اپنی خانقاہ میں پناہ دیا۔ لیکن نفس امّارہ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اور مسلسل سات رات تک اس کے ساتھ گناہ میں مبتلا رہا۔ پھر اُس عابد کو یہ احساس ہوا کہ ہائے افسوس! میں نے ستّر برس کی عبادت کو سات راتوں کے گناہ سے غارت وبرباد کردیا۔ یہ خیال آتے ہی وہ اس قدر پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ روتے روتے بیہوش ہوگیا۔ آخر جب ہوش میں آیا تو عورت نے کہا، اے شخص! خدا کی قسم میں نے تیرے سوا اور کسی کے ساتھ یہ گناہ نہیں کیا ہے اور تو نے بھی میرے سوا اور

کسی کے ساتھ یہ گناہ نہیں کیا ہے، اور میں تیرے چہرے پر صالحین کی نشانی دیکھ رہی ہوں۔ لہذا میری تجھ سے اتنی درخواست ہے کہ جب پھر تجھ پر تیرے مولیٰ کا فضل و کرم ہو جائے اور تو عبادت میں مشغول ہو جائے تو مجھ گناہگار عورت کو بھی دعا میں یاد کر لینا۔

عابد اپنے گناہ پر انتہائی پشیمان اور پریشان ہو کر توبہ کرتے ہوئے خانقاہ سے جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔ اور رات کو ایک ویرانے میں ٹھہرا۔ جہاں دس اندھے انسان رہتے تھے، اور ایک راہب روزانہ اندھوں کو ایک ایک روٹی دیا کرتا تھا۔ حسب عادت راہب کا غلام دس روٹیاں لے کر آیا۔ عابد نے بھی اس کے آگے ہاتھ پھیلا دیا اور ایک روٹی لے لی۔ ایک اندھے کو روٹی نہیں ملی۔ اُس نے غلام سے تقاضا کیا کہ میری روٹی تم نے آج کیوں نہیں دی؟ غلام نے کہا میں دس روٹیاں تم لوگوں میں تقسیم کر چکا ہوں اندھو کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ایک دوسرا شخص بھی ہم لوگوں میں شامل ہو گیا ہے اور اس نے اندھے کی روٹی لے لی ہے۔

اندھا غریب بھوکا رہ گیا۔ پھر عابد کے ضمیر نے جھنجھوڑا کہ افسوس ایک اندھا جو خدا کا نیک بندہ ہے وہ بھوکا رہے اور میں گناہ کا پتلا ہوتے ہوئے پیٹ بھر کھاؤں؟ عابد نے یہ سوچ کر اپنی روٹی اندھے کو دیدی اور خود بھوکا پڑا رہا۔ یہاں تک کہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اسکے مرتے

ہی رحمت اور عذاب کے فرشتے اُتر پڑے اور بحث کرنے لگے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ شخص توبہ کر چکا ہے۔ لہذا ہم الرحم الراحمین کے جوار رحمت میں لے جائیں گے۔ اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ یہ گناہ گار ہے۔ لہذا ہم اسکو جبار وقہار کے دربار میں بحیثیت ایک مجرم کے پیش کرینگے۔ یہ بحث جاری تھی کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم اس کی ستّر برس کی عبادت کو سات رات کے گناہوں سے تول کر دیکھو کہ کون سا پلہ بھاری رہتا ہے؟ جب فرشتوں نے وزن کیا تو سات رات کے گناہوں کا پلّہ ستّر برس کی نیکیوں سے بھاری نکلا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اچھا اب تم لوگ اس کے سات راتوں کے گناہ کو اُس ایک روٹی سے وزن کرو جو اس نے خود بھوکے رہ کر اندھے کو دیدی تھی جب فرشتوں نے وزن کیا تو ایک روٹی کا پلّہ سات رات کے گناہوں سے بھاری نکلا۔ اور یہ شخص رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ارحم الراحمین نے اس کی توبہ قبول فرما کر اسکو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما دی۔

مستطرف
(جلد ۱ صفحہ ۱۰)

پہاڑ ہلنے لگا!

عبد اللہ ہروی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت فضیل بن عیاض رح کے ساتھ ابو قبیس پہاڑ پر تھے۔ دوران گفتگو حضرت فضیل رح نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اپنے توکّل میں سچا ہو تو اس کی یہ شان ہوگی کہ اگر وہ اس پہاڑ سے کہہ دے کہ "تو ہل جا" تو اس کے حکم دیتے ہی یہ پہاڑ لرزہ براندام ہو کر ہلنے لگے گا۔

عبد اللہ ہروی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم فضیل رح کے منہ سے یہ لفظ کہ "تو ہل جا" نکلتے ہی ہم نے دیکھا کہ کوہ ابو قبیس ایک دم ہلنے لگا۔ اس وقت حضرت فضیل رح نے فرمایا کہ اے پہاڑ! خدا تجھ پر رحمت نازل فرمائے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ تو حرکت میں آ کر ہلنے لگے۔ میں نے تو مثال کے طور پر تیری جانب اشارہ کر دیا تھا۔ یہ سن کر پہاڑ بالکل ساکن ہو گیا۔

(مستطرف۔ جلد ۲ ص ۲۶۳)

خداوند تعالیٰ کا اپنے ان نیک بندوں پر اتنا پیار ہوتا ہے کہ اسکے کرم کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اسکے محبوب بندے کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط اور جھوٹ ہو جائے۔ اسلئے وہ جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو جایا کرتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

ایک مشہور نابینا

ایک مشہور اندھے بزرگ حضرت ابو بکر ضریرؒ ایک جنازے میں شریک ہوئے۔ ان کے سامنے بچے رو رو کر کہہ رہے تھے۔

"اے باپ! آپ کے بعد ہمارا ذمہ دار کون ہو گا؟"

جب حضرت شیخ ابو بکرؒ نے ان یتیموں کی یہ درد بھری آواز سنی تو فرمایا، جو ذات ابو بکر اندھے کی ذمہ دار ہے وہی تمہاری دیکھ بھال کرے گی۔

جب ابو بکرؒ کے منہ سے یہ جملہ سنا تو ان سے یہ دریافت کیا اس کا کیا قصہ ہے۔ ابو بکر ضریرؒ نے بیان کیا کہ میرے والد جو ایک غریب مسلمان تھے جو مٹی کے برتنوں کی تجارت کرتے تھے۔ میری ایک بہن جو عمر میں مجھ سے بڑی تھی۔ بچپن ہی میں میری آنکھیں بیماری کی وجہ سے جاتی رہیں۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں جاگا تو میری والدہ اور والد کہہ رہے تھے کہ ہم دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہمارا وقت قریب آگیا ہے، ہمارے بعد کیا ہو گا؟ اسی وقت والد نے یہ شعر پڑھا جس کا مفہوم ہے۔

"ایک آدمی جو پچاس سال تک اپنی منزل کی طرف چلتا رہا اس کا معاملہ قریب ہے، ہماری

یہ بچی تو صحت و سلامتی کے ساتھ زندہ رہ کر
لوگوں کے کام دھندے کرتی ہے، مگر یہ بچہ
اندھا گوشت کا ٹکڑا ہے، معلوم نہیں ہمارے
بعد اس کا کیا حال ہوگا۔"

یہ کہہ کر میرے والدین اندھیری رات میں کافی دیر تک روتے رہے اور ان کے رونے سے میرا دل بھی بہت غمگین ہوا۔

بہرحال جب صبح ہوئی تو حسب معمول مکتب میں پڑھنے گیا ابھی مجھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ خلیفہ کا ملازم آیا اور معلم سے کہا کہ امیر المؤمنین کی زوجہ آپ کو سلام کہتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ آرہا ہے۔ آپ مجھے ایک نابالغ لڑکا دیں، جس کی آواز بہت اچھی ہو اور قرآن شریف کی قرأت بھی اچھی کرتا ہو تاکہ وہ لڑکا حرم سرا میں ہم عورتوں کو تراویح پڑھائے۔ خلیفہ کے ملازم کا یہ پیغام سُن کر استاد نے کہا کہ اس طرح کا ایک لڑکا میرے پاس ضرور ہے مگر وہ دونوں آنکھوں سے معذور ہے۔

یہ کہہ کر استاد نے مجھے اس ملازم کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ خادم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں چلے، یہانتک کہ دارالخلافہ پہنچے۔ دروازے پہنچ کر میرے اندر آنے کی اجازت چاہی تو امیر المؤمنین کی زوجہ نے اجازت دی۔ اور میں نے اندر جاکر سلام کیا اور بسم اللہ کر کے قرآن شریف کی قرأت شروع کر دی۔ زوجۂ امیر المؤمنین پر رقت

طاری ہوئی، وہ رونے لگیں۔ میں جوں جوں قرآن پڑھتا جاتا تھا اُن کے رونے میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ میں نے ایسی تلاوت کبھی نہیں سنی تھی۔ ان کے اس تاثیر سے میرا دل بھی متاثر ہوا اور میں بھی رونے لگا۔ اس نے مجھ سے رونے کا سبب دریافت کیا تو میں نے رات کا سارا ماجرا بیان کیا۔ پورا واقعہ سُن کر اُس نے کہا۔

"اے پیارے بچے! تمہارا ذمے دار وہ ہوگا جو تمہارے والد کا ذمہ دار ہے"

یہ کہہ کر اس نے میرے لئے ایک ہزار دینار کا حکم دیا، اور کہا اس رقم سے تمہارے والد تجارت کر کے تمہاری بہن کی شادی کا بندوبست کریں گے۔ اور میں نے تمہارے لئے خاص طور سے تیس دینار ماہوار وظیفہ مقرر کیا جو ماہ بماہ تم کو ملتا رہے گا۔ نیز اس نے میرے لئے خلعت اور سجا سجایا خچر دینے کا حکم دیا۔

یہ قصہ بیان کر کے حضرت ابوبکر ضریرؒ نے کہا کہ اس واقعے کی بنا پر میں نے اس وقت ان یتیم بچوں کو یہ جواب دیا ہے۔

(نکہت الہمیان صہ ۲۲-۲۱۔ از مطبوعہ مصر)

حج اکبر

حضرت عبد اللہ ابن مبارکؒ حج بیت اللہ کے لئے اپنے شہر مرو سے نکلے۔ چند ہی کوس کا سفر طے ہوا تھا کہ یکایک آپ گھوڑے سے اُتر پڑے۔

سڑک کے کنارے ایک غریب لڑکی گھورے سے کچھ اٹھا رہی تھی۔ حضرت عبد اللہؒ دبے پاؤں آگے بڑھے۔ غریب بچّی ایک مُردار چڑیا کو جلدی جلدی ایک چھیتڑے میں لپیٹ رہی تھی۔ مسافر کو دیکھ کر وہ سہم گئی اور اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

بیٹی! تم اس مُردار چڑیا کو کیا کرو گی؟ حضرت عبد اللہؒ نے نہایت شفقت بھرے انداز میں پوچھا۔

چچا میاں! ہمارے ابا نہیں ہیں۔ کچھ ظالموں نے انھیں بے دردی سے قتل کر دیا اور ہمارا سب مال و اسباب چھین لیا۔ یتیم بچّی نے سر جھکا کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

چچا میاں! اب میں ہوں اور میرا بھائی ہے سوائے خدا کے دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہیں۔ اب ہمارے پاس نہ کچھ کھانے کو ہے اور نہ پہننے کو، کبھی کبھی وقت ایسے ہی گذر جاتے ہیں۔ اب بھی ہم چھ وقت کے فاقے

سے ہیں۔ گھر میں بھیا فاقے سے نڈھال پڑا ہے۔ اس کی حالت دیکھ کر میں تڑپ گئی، باہر نکلی کہ شاید کچھ مل جائے۔ یہاں آئی تو گھورے پر یہ مُردار چڑیا دیکھ کر بدن میں جان آئی۔ ہمارے لئے یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ میرا بھیا انتظار کرتا ہوگا یہ کھا کر سو جائے گا۔ اور فاقوں کی ماری یہ غریب بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا دل بھر آیا۔ بچی کے سر پر ہاتھ رکھا اور خود بھی رونے لگے۔ دیر تک دونوں روتے رہے۔ پھر اپنے خزانچی سے پوچھا اس وقت تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟

حضرت ایک ہزار اشرفیاں۔ خزانچی نے جواب دیا۔

میرے خیال میں وطن پہنچنے کے لئے بیس اشرفیاں کافی ہوں گی۔ حضرت نے پوچھا۔

جی ہاں! بیس اشرفیاں گھر تک پہنچنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ خزانچی نے جواب دیا۔

تو آپ بیس اشرفیاں روک کر باقی ساری رقم اس لڑکی کے حوالے کر دیجئے۔ ہمارا حج اس سال یہیں ہوگا۔ یہ حج اکبر ہے۔ حضرت نے بڑے وقار کے ساتھ فیصلہ کن انداز میں کہا۔

خزانچی نے بیس اشرفیاں تھیلی سے نکال کر الگ رکھیں اور باقی رقم کی تھیلی اس بچی کو پکڑا دی۔

غم اور فاقے سے کمہلایا ہوا چہرہ ایک دم کھل اُٹھا۔ اور لڑکی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ اور وہ تھیلی ہاتھ میں لئے دم بخود کھڑی رہی۔ حضرت نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

جاؤ بیٹی جاؤ۔ یہ رقم گھر لے جاؤ۔ اب تم اور تمہارا بھائی فاقے کی مصیبت سے بچ گئے۔ خدا کا شکر ادا کرو۔ اور اس رقم کو کام میں لاؤ۔ جاؤ بیٹی جاؤ۔ تمہارا بھیا انتظار کر رہا ہوگا۔ اب یہ مُردار چڑیا پھینک دو! اور لڑکی نے مُردار چڑیا پوری قوت سے دُور پھینک دی۔

چچا میاں! اب یہ مُردار کھانا ہمارے لئے جائز نہیں، یہ کہتے ہوئی لڑکی نے سلام کیا اور تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی خوش خوش اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ حضرت رح اُسے دیکھتے رہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ جب وہ نگاہوں سے غائب ہوگئی تو خزانچی سے فرمایا:۔ چلئے، اب یہیں سے گھر واپس چلئے۔ خدائے تعالےٰ نے اس سال ہمارا حج یہیں قبول فرمالیا۔

سوچنے کا صحیح انداز

حضرت شفیق بلخی رح مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ یہ ایک دفعہ تجارت کی غرض سے عازم سفر ہوئے۔ سفر پر

روانگی سے قبل انھوں نے اپنے دوست ابراہیم ادہم رح سے الوداعی ملاقات کی اور اُن کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ وطن روانہ ہوئے۔ حضرت شفیق رح اپنی اس روانگی کے کچھ ہی دنوں بعد وطن واپس آ گئے۔ ایک دن وہ مسجد میں نماز ادا کرنے آئے تو ابراہیم ادہم رح نے انہیں دیکھ لیا۔ قریب بلایا اور دریافت فرمایا بھائی! اس قدر جلد تم کیسے واپس آ گئے۔

حضرت شفیق رح نے جواب دیا، میں اپنے اس تجارتی سفر کے دوران جب ایک بیابان سے گزر رہا تھا تو وہاں ایک زخمی پرندہ دیکھا جسکے بازو ٹوٹ گئے تھے اور وہ اُڑنے سے بالکل مجبور تھا۔ پھر میں نے دیکھا ایک تندرست بال و پر والا پرندہ اپنی چونچ میں ایک ٹکڑا لایا اور مجبور پرندے کے چونچ میں ڈال دیا۔ انھوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ جس ذات نے اس زخمی پرندے کو تندرست پرندے کے ذریعے زندگی گزارنے کا سامان دیا وہ مجھے بھی روزی پہنچانے پر قادر ہے چاہے میں کہیں بھی رہوں۔ یہ سوچ کر میں نے اسباب و ذرائع سے منہ موڑ لیا اور اللہ تعالےٰ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہو گیا۔

حضرت ابراہیم رح حضرت شفیق کی بات خاموشی سے سنتے رہے۔ جب اپنی گفتگو مکمل کر لی تو آخر میں حضرت

ابراہیم رح نے ایک بڑی حکیمانہ اور عارفانہ بات ارشاد فرمائی۔ اس بات میں ابراہیمی فکر و نظر کی پوری جھلک موجود ہے۔ فرمایا:

اے شفیق! تم نے اپنے لئے مجبور پرندے کو معیار بنایا مگر تندرست پرندے کو نمونہ نہیں بنایا، سوچنے کا یہ انداز مریضانہ ہے تمہیں صحتمندانہ بنیادوں پر غور و فکر کرتے ہوئے تندرست پرندے کو اپنے لئے نمونہ کیوں نہیں بناتے اور اس کی خدمتگذاری سے سبق کیوں نہیں لیتے۔ جس طرح اس نے ایک زخمی اور مجبور پرندے کو غذا پہنچائی اور اسکی مصیبت میں کام آیا اسی طرح تم بھی معذوروں اور مجبوروں کی حاجت روائی کرتے اور انکے کام آتے۔ اور اپنی اس خدمت خلق کے ذریعے پرندے سے بڑھکر فضل و کمال حاصل کرتے۔

حضرت شفیق رح حضرت ابراہیم ادہم رح کی یہ انمول نصیحت سن کر فرط مسرت سے جھوم اٹھے۔ آگے بڑھے اور حضرت ابراہیم رح کے ہاتھ چوم لئے اور پرکیف انداز میں کہا۔

"ابو اسحاق (حضرت ابراہیم رح کی کنیت) واقعی آپ میرے استاذ ہیں"

پھر وہ عبادت اور ریاضت کے ساتھ اپنے کاروبار

ہیں پہلے کی طرح لگ گئے۔

(انوارِ نظامیہ ص ۲۹۔۲۸)

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ
(علامہ اقبال)

احترام کا صلہ

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بہت متمول تھا
کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا جب مرتا ہی نہیں تو ورثہ کی دھن میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ تاکہ اس لڑکی سے نکاح بھی کرلوں اور قتل کی تہمت دوسروں پر دھر کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کا مالک بن جاؤں۔ اور اس شیطانی خیال میں پختہ ہو گیا۔

ایک دن موقعہ پاکر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آکر یکسو ہوکر ان سے الگ ایک شہر میں رہتے تھے۔ شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کو کھولتے تھے مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے اس چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک

بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کو کھولتے، کسی مجرم کو ا
ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے
چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال
اور یہاں آکر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا۔ پھر ہائی دہائی مچا
کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا اور ان قلعہ والوں پر تہمت
رکھی ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انھوں نے ا
قتل سے اور اس کے علم سے بھی انکار کیا۔ لیکن یہ سر ہو گ
یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے
تل گیا۔ یہ لوگ عاجز آکر حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے اور وا
عرض کیا کہ رسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر قتل کی تہمت
لگا رہا ہے۔ حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰؑ نے اللہ تعالےٰ
دعا کی۔ وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ایک گائے ذبح کر لو۔
انھوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبیؑ کہاں قاتل کی تحقیق اور کہ
آپ کا گائے کی ذبیحہ کا حکم؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں
موسیٰؑ نے فرمایا اعوذ باللہ مسائل شرعیہ کے موقعہ پر
مذاق جاہلوں کا کام ہے۔ اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے، اب
اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کرتے تو کافی تھا لیکن انھو
نے سوالات کا دروازہ کھول دیا اور کہا وہ گائے کیسی ہو
چاہیئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچہ ہے
جوان عمر کی ہے۔ انھوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت
ہیں، یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ وحی نازل

ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہ جتی۔ کھیتوں کو پانی نہیں پلایا، ہر عیب سے پاک ہے۔ یک رنگی ہے کوئی داغ دھبہ نہیں۔ جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

اب نکلے ایسی گائے ڈھونڈنے کو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے والدین کا نہایت فرمانبردار تھا۔ ایک مرتبہ جب کہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتے ہوئے آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ لڑکے نے کہا میں خرید دوں گا۔ قیمت ستر ہزار طے ہوئی۔ لڑکے نے کہا ذرا ٹھہر و جب میرے والد جاگ جائینگے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دوں گا۔ اس نے کہا نہیں ابھی قیمت دو تو دس ہزار کم دیتا ہوں۔ اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو نہیں جگاؤں گا۔ تم اگر ٹھہر جاؤ تو بجائے ستر کے اسی ہزار دوں گا۔ یوں ہی اُدھر سے کمی اِدھر سے زیادتی ہونا شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دو تو تیس ہزار میں دوں گا۔

لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ جب میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کو جاننے اور اس کی راحت رسانی کی کوشش کرنے اور ان کا ادب

واحترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہوتا ہے اور اُسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔

جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوائے اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے، اس سے کہتے ہیں اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو۔ یہ انکار کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں تین لے لو، چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا، دس کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آکر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی۔ یہ برکت خدا نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی۔ جب کہ یہ بہت محتاج تھا اور اسکے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس کی رانڈ ماں غربت و تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔

الغرض یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے میری لڑکی سے نکاح کرلے۔ بس اتنا کہہ کر وہ مر گیا اور قاتل کا پتہ لگ گیا اور یہ فتنہ دب گیا۔ اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اور اسے اسکے بدلے میں قتل کر ڈالا۔

(تفسیر ابن کثیر۔ پ۱ سورہ بقرہ۔ آیت ۶۷ تا ۷۰)

صرف آٹھ باتیں

امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں ایک بزرگ تھے ان کا نام حاتم الاصم تھا۔ بڑے ہی نیک اور سمجھدار آدمی تھے۔ ان کے استاد حضرت شفیقؒ اپنے زمانے کے مانے ہوئے علماء میں تھے۔ قرآن، زبور، توریت، انجیل تمام آسمانی کتابوں کے ماہر تھے۔ حضرت حاتم الاصم تینتیس ۳۳ برس تک ان کے زیر تربیت رہے۔ اور بہت کچھ سیکھا۔ ایک دن حضرت شفیقؒ نے حاتم سے پوچھا:

استاد: کیوں حاتم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو؟

طالب علم: جناب تینتیس ۳۳ سال ہو گئے۔

استاد: اچھا بتاؤ اتنے عرصے میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟

شاگرد: استاد محترم صرف آٹھ باتیں سیکھی ہیں۔

استاد: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ تم نے ساری عمر میرے ساتھ بتا دی اور صرف آٹھ باتیں سیکھیں ہیں۔

شاگرد: استاد محترم جھوٹ بولنا نہیں چاہتا واقعی میں نے آپ سے صرف آٹھ باتیں سیکھی ہیں۔

استاد: اچھا سناؤ وہ کیا باتیں ہیں۔ (طالب علم نے کہنا شروع کیا)

شاگرد: پہلی بات استاد محترم! جہاں تک میں نے دنیا

میں جس پر نظر ڈالی دیکھا کہ ہر آدمی کسی نہ کسی کو اپنا
محبوب بنائے ہوئے اور اس سے محبت کرتا ہے،
حتیٰ کہ وہ مرجاتا ہے اور دفن کر دیا جاتا ہے مگر
اس کا وہ محبوب اسے قبر میں اکیلا چھوڑتا ہے،
پس میں نے صرف نیکیوں کو اپنا ساتھی بنایا کہ وہ
قبر میں بھی میرے ساتھ رہے اور اکیلا مجھ کو
نہ چھوڑے۔

دوسری بات: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ
عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔
یعنی اور جو اپنے رب کے حضور حاضری سے ڈرتا
رہا اور اپنے آپ کو بُری خواہشوں سے روکتے
رہا اس کا ٹھکانا یقیناً جنت ہے۔
اللہ تعالےٰ بالکل سچ فرماتا ہے۔ پس میں نے بُری
خواہشات سے بچنے کی پوری پوری کوشش کی اور
دل و جان سے خدا کی بندگی میں لگ گیا۔

تیسری بات: استاد محترم! دنیا والوں کی حالت پر جہاں تک
میں نے غور کیا یہی نظر آیا کہ جس کے پاس بھی
کوئی قیمتی چیز ہے، وہ اُسے حفاظت سے رکھتا
ہے۔ پھر میری نظر سے یہ آیت گزری۔
مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ۔ جو کچھ
تمہارے پاس ہے وہ ایک دن ختم ہوجائیگا۔

اور جو خدا کے پاس ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔
اب میرا یہ حال ہے کہ جو اچھی چیز بھی میرے ہاتھ لگتی ہے اسے اللہ کے حوالے کر دیتا ہوں کیونکہ وہ چیز اللہ کے یہاں میرے لئے ہمیشہ باقی رہے گی۔
چوتھی بات: استاد من المخلوق کی حالت پر جہاں تک میں نے غور کیا تو کوئی مال اور شان و شوکت کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اور کوئی حسب و نسب اور دنیوی شرافت پر ریجھتا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ چیزیں وزن نہیں رکھتیں۔ کیونکہ! اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ تم لوگوں میں جو سب سے زیادہ بُرائی سے بچنے والا اور نیکیاں کمانے والا ہو۔ وہ اللہ کے نزدیک عزت والا ہے۔
اور میں نے بُرائیوں سے بچنے کے لئے کمر ہمت باندھ لی تاکہ خدا کے یہاں عزت والا بنوں۔
پانچویں بات: محترم بزرگ! دنیا والوں کو میں نے یہی پایا کہ کوئی کسی کو لعنت و ملامت کر رہا ہے کوئی کسی کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سب گناہوں کی اصل جڑ حسد ہے۔ پھر میں نے خدا کے اس فرمان پر غور کیا۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہم ہی نے اپنی مصلحت

کے مطابق دیا ہے۔
اور میں نے حسد سے بچنے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے۔
لوگوں سے بے پرواہو گیا اور پھر کبھی حسد اور جلن کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔

چھٹی بات: محترم استاد! دنیا میں کوئی کسی پر زیادتی کررہا ہے۔ کوئی بے جا ظلم۔ چنانچہ میں نے سب سے ہٹکر خدا کے اس فرمان کو لیا۔
اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔
یعنی بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو اپنا دشمن سمجھو۔

ساتویں بات: استاد محترم! دنیا والے چند ٹکڑوں کے طلب میں لگے ہوئے ہیں۔ لالچ میں حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے۔ پھر میں نے خدا کی اس آیت پر غور کیا۔ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ یعنی زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کی روزی اللہ نے اپنے ذمّہ لی ہے۔
میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میں بھی تو زمین پر چلنے والے جانداروں ہی میں سے ہوں جن کی روزی کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے۔ میں کبھی اس چیز کی فکر میں نہیں پڑا جو اللہ کے یہاں سے بہرحال مجھے ملنے والی ہے، میں ہر طرف سے بے پرواہوکر

یکسوئی کے ساتھ ان تمام حقوق کو ادا کرنے میں لگ گیا جو مجھ پر واجب ہیں۔

آٹھویں بات: استاد محترم! آخری بات یہ ہے کہ لوگوں کے حالات پر جہاں تک میں نے سوچا۔ یہی معلوم ہوا کہ ہر ایک نے بودی اور کمزور چیزوں پر بھروسہ کر رکھا ہے، کوئی اپنے سامان و مال پر بھروسہ کئے ہوئے ہے، کوئی اپنی کاریگری پر، کوئی اپنی صحت و توانائی اور قوت پر، الغرض انسان اپنے ہی جیسے انسانوں پر تکیہ کئے ہوئے ہے۔ اپنی حقیر طاقتوں پر، یہ حالت دیکھ کر میں نے خدا کے اس سچے فرمان کو دل سے لگایا۔ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ۔ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کریگا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

بس میں ہر چیز سے نظر ہٹا کر صرف خدا پر بھروسہ کیا۔ اور واقعی خدا میرے لئے کافی ہے۔

شاگرد کی یہ سیدھی اور سچی ایمان افروز باتیں سن کر حضرت شفیق بلخی رح بہت خوش ہوئے۔ لائق شاگرد کو علم و عمل اور ترقی کی دعائیں دیں۔ اور فرمایا حاتم! میں نے توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن پر بھی خوب غور کیا۔ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ یہی آٹھ باتیں ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

حکم خداوندی

امام اصمعیؒ کا ایک موضع کی طرف گزر ہوا۔ اس میں انھوں نے ایک نہایت ہی حسین وجمیل لڑکی کو دیکھا کہ وہ ایک انتہائی بدصورت مرد کی زوجیت میں بڑی ہنسی خوشی سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اصمعیؒ سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ تم جیسی خوبصورت عورت اس جیسے بدصورت انسان کے ساتھ زندگی گزارے؟

اس حسینہ نے جواب دیا کہ اے شخص! تم نے بہت بُری بات کہی اور مجھ کو غلط راستے پر ڈالنا چاہا۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ میرے شوہر نے اپنے رب کو خوش کرنے کے لئے کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے خداوند کریم راضی ہو گیا اور اس نے اسکا صلہ اور جزا یہ دی کہ مجھ جیسی حسین عورت اس کو مل گئی۔ یا یہ بات ہوئی کہ مجھ سے کوئی سخت غلطی اور گناہ سرزد ہوا جس کی پاداش میں اس جیسا بدصورت شوہر ملا۔ دونوں میں سے جو بات بھی ہو بہر حال یہ حکم خداوندی سے ہوا۔ تو کیا میں اس چیز پر راضی نہ رہوں اور اپنے رب کا شکر نہ بجالاؤں جسمیں میرے رب کی مرضی ہے۔

(شرح شرعۃ الاسلام ص۱۳۱ھ۔ فتاویٰ رحیمیہ ج۲ ص۱۰۸

عورت اور اسلام ص۱۶۱

خدائی فیصلہ

شہنشاہ بیمار ہوا تو بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ علاج معالجہ سے مایوس ہو کر صدقہ و خیرات کی طرف توجہ دی، مگر حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ ایک سنیاسی جو کسی دوسرے ملک سے پھرتا پھراتا آگیا تھا۔ اسے جب شہنشاہ کی بیماری کا علم ہوا تو دربار میں حاضر ہو گیا۔ شہنشاہ کو دیکھنے کے بعد اس نے تجویز کیا کہ اگر کسی بارہ تیرہ سال کے نوجوان کی گردن کا منکا نکال کر بادشاہ کے گلے میں ڈال دیا جائے تو وہ صحت یاب ہو سکتا ہے۔ اب کسی ایسے لڑکے کی تلاش شروع ہوئی۔ آخر ایک کثیر العیال غریب کسان اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اگر اسے اتنے ہزار درہم دئے جائیں تو وہ ایک لڑکا دے دیگا۔

بادشاہ نے کہا "ایک انسانی جان لے کر صحتیاب ہونا نہیں چاہتا"۔ مگر قاضی نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ اسلام کی جان سلامت رہے تو رعایا کے ایک فرد کی جان لینا کوئی گناہ نہیں۔

بادشاہ سلامت مطمئن ہو گئے تو لڑکے کو جلاد کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ درباریوں سمیت حاضر تھا۔ لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہنسنے لگا۔ لوگ حیران ہوئے کہ جلاد کے سامنے کھڑا ہے تلوار کی ایک وار اس کی گردن

کو کاٹ دے گا۔ مگر یہ لڑکا ہنس رہا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: لڑکے تمہارے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا: اولاد کے سب سے زیادہ خیر خواہ اس کے والدین ہوتے ہیں، وہ دولت پر راضی ہو گئے۔ رعایا کی حفاظت کا ذمّہ دار بادشاہ ہوتا ہے اسے اپنی جان بچانے کے لئے دوسروں کی جان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور عدل و انصاف کی اُمید قاضی سے ہوتی ہے وہ فتویٰ دے چکا ہے میری جان لینے کا۔ اب صرف خدا ہی سے کسی بھلائی کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ نامعلوم اس کا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر مجھے ہنسی آگئی۔

اس پر بادشاہ نے لڑکے کو رہا کرنے کا حکم دے دیا اور کہا: "مجھے مرنا منظور ہے، کسی بے گناہ کی جان لینا مناسب نہیں۔" خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بادشاہ خود بخود تندرست ہو گیا۔

(مثنوی معنوی۔ مولانائے روم)

ایک حق پرست عالِم

والیٔ مصر احمد بن طُولون بڑا ہی سفّاک اور خونریز بادشاہ تھا، مگر باوجود اسکے مقدمات میں ظالم و مظلوم کے درمیان عدل کرنے کا بڑا جذبہ تھا۔ ایک دن اس کا لڑکا عباس

ایک گانے والی عورت کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ اور اس کا غلام ہاتھ میں "ستار" لئے جا رہا تھا۔ ایک عالم حق پرست نے جو یہ منظر دیکھا تو ایک دم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا جذبہ سینے میں بیدار ہو گیا۔ غضب و جلال میں بیدار ہو کر دوڑ پڑے اور غلام کے ہاتھ سے "ستار" چھین کر زمین پر اس طرح پٹخ دیا کہ وہ چور چور ہو کر بکھر گیا۔ عباس نے غضب ناک ہو کر اپنے باپ احمد بن طولون کی کچہری میں اس حقانی عالم پر مقدمہ دائر کر دیا۔ جب یہ پیکر علم و عمل کچہری میں پہنچا تو احمد بن طولون نے سوال کیا کہ کیا واقعی تم نے ستار کو توڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں!

احمد بن طولون نے تیور بدل کر بڑے غصے میں پوچھا کیا تم کو علم تھا کہ وہ ستار کس کا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں، وہ آپ کے فرزند عباس کا تھا۔

احمد بن طولون نے کہا کہ پھر بھی تم نے میرے اعزاز کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا۔ حق پرست عالم نے نہایت ہی بے خوفی کے ساتھ جواب دیا کہ: عزت مآب! یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ایک گناہ ہوتے ہوئے دیکھوں اور آپ کے اعزاز کے خیال سے خاموش رہوں۔ حالانکہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

(یعنی تمام مومنین اور تمام مومنات ایک دوسرے کے

دوست رہیں۔ ان کا یہی کام ہے کہ یہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے منع کرتے رہیں۔)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ" (یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے)

حق پرست عالم کی یہ حق نما تقریر تاثیر کا تیر بن کر احمد بن طولون کے دل میں پیوست ہوگئی۔ یکدم اس کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اور اس نے یہ کہہ دیا کہ میں آپ کو مجاز بناتا ہوں کہ پورے شہر میں جو بھی بات خلاف شرع دیکھیں اسکو برباد اور تہس نہس کر دیجئے میں آپ کا معین و مددگار رہوں۔

(مستطرف جلد ۱ ص۱۰۱)

اگر کوئی حق پرست واقعی جذبۂ اخلاص اور جوشِ صداقت سے کوئی کلمۂ حق کہے تو خداوند عالم اس کے کلام میں تاثیر پیدا فرماتا ہے۔ اور فتح مبین انتہائی جذبۂ عقیدت کے ساتھ حق پرست انسان کے قدموں کا بوسہ لینے لگتی ہے

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی،
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لا تخف

اسی مصنف کی دیگر تصانیف

۳ توشہ آخرت	قیمت	8-00
۴ روشنی کے مینار	"	5-00
۵ دو بے بہا	"	6-00
۶ شعاع نور	"	6-00
۷ لمعات ایمانی	"	6-00
۸ انسانیت کا چراغ	"	6-00
۹ مختصر تاریخ عالم اسلام	"	8-00
۱۰ فردوس نظر	"	4-00
۱۱ نوری چہل احادیث	"	1-00
۱۲ پہلی منزل	"	4-00
۱۳ چند باتیں	(زیر طبع)	

تلگو اڈیشن

۱ کانتی کرانمو	قیمت	8-00
۲ مانا وانا دیپمو	"	6-00
۳ کانتی سکھرالو	"	6-00
۴ کفن و دفن	"	1-00
۵ آسان نماز	"	5-00

ملنے کے پتے

۱ ظفر بکڈپو 10-49-64 کاولی 524201

۲ رحیمیہ بکڈپو گنٹور (۳) ضیا برادرس کرنول

۳ کتب خانہ انجمن ترقی اردو — جامع مسجد — دہلی